ماہنامہ

حکمت بالغہ

مارچ2012

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

جلد 6	شمارہ 3	ربیع الثانی 1433ھ	مارچ 2012ء

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ35200

047-7628561-7628361

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: شیخ فیاض حسین مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ نوح	3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	5
3	سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ کی روشنی میں محاسبۂ اُخروی کے مراحل		7
4	جمہوریت سے آگے منزل ہے خلافت	محمد فہیم، تیمر گرہ	33
5	پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں یہود کا کردار اور جرمن قوم کی یہودیوں سے نفرت کا پس منظر؟	ترجمہ و تلخیص محمد یونس جنجوعہ	44
6	عذاب یافتہ قومیں، فرعونوں کے اہرام اور قرآن مجید	انجینئر مختار فاروقی	50

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ نوح (10-20)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ج

اور میں (حضرت نوح علیہ السلام) نے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا O

کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا O

وہ تم پر آسمان سے مینہ برسائے گا

وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ O

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا

وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا

اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بنا دے گا

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا O

تم کو کیا ہوا ہے؟ کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے

وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا O

حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) میں پیدا کیا ہے

اَلَمۡ تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا O

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اُوپر تلے بنائے ہیں

وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡھِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا O

اور چاند کو ان میں (زمین کے لئے) نور بنایا ہے

اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے

وَ اللّٰہُ اَنۡبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا O

اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے (نباتات کی طرح) پیدا کیا ہے

ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡھَا وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا O

پھر وہ اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں

(قیامت کے دن) نکال کھڑا کرے گا

وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا O

اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا (فرش) بنایا

لِّتَسۡلُکُوۡا مِنۡھَا سُبُلًا فِجَاجًا O

تا کہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو

صدق اللہ العظیم

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

فلسفہ وحکمت کی دنیا میں IDEALISM اور REALISM دو اصطلاحات کی بحث جاری رہتی ہے۔ بہت سے حکماء اور فلسفی IDEALISM کے حامی اور پرچار کرنے والے تصور کیے جاتے ہیں اور بعض مصلحین اور انسانیت کے لئے اعلیٰ اخلاق واقدار کے حصول کے لئے کوشاں عملی شخصیات REALISM کے حامی نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کی ماضی قریب کی تاریخ بہت اہم ہے جب جنوبی ایشیا کے مسلمان اپنی بے عملی، حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی اور اہل ثروت طبقات کی عیاشیانہ روش کی بدولت غیروں کے غلام بن گئے۔ یہ غلامی سیاسی لحاظ سے اگرچہ 1947ء میں ختم ہوگئی تھی اور آج صرف ساٹھ سالوں کے بعد 60 کے قریب آزاد مسلم ریاستیں دنیا کے نقشے پر موجود ہیں۔ اجتماعی زندگی میں قوموں اور تہذیبوں کی سطح پر یہ عرصہ کوئی زیادہ لمبا عرصہ نہیں ہے جبکہ اُمت مسلمہ کی بیداری نے مسلمانوں کو غلامی سے اُٹھا کر عصر حاضر کی بالادست طاقتوں سے دست وگریباں کر رکھا ہے۔ روئے ارضی پر کوئی دوسری قوم بالادست عالمی طاقتوں سے یوں الجھی ہوئی نظر نہیں آتی جیسے کہ آج کی اُمت مسلمہ۔

دو صدیوں کی غلامی سے آزادی کے سفر میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں بے شمار شخصیات نے انتھک کام کر کے آزادی کی منزلیں طے کی ہیں۔ ان شخصیات میں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح دو ایسی مؤثر شخصیات میں جنہوں نے IDEALISM کے تصورات اور

REALISM کے تقاضوں کو بیک وقت بڑی خوبصورتی سے نبھایا ہے اور اُمت مسلمہ کی طوفانوں میں گھری کشتی کو ساحل مراد تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔۔۔۔

آج بھی ضرورت اسی بات کی ہے کہ تصوّراتی محلّات تعمیر کرنے اور اُمت مسلمہ کو جذباتی انداز میں ابھارنے (RELIGIOUS ROMANTICISM) اور مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرنے کے ساتھ ساتھ اُمت کی فی الواقع اخلاقی، عملی، علمی اور دینی حیثیت سے گراوٹ کا احساس کیا جائے اور اس ضمن میں ناگزیر کوششیں جاری رکھی جائیں۔ ایک طرف منفی طور پر اُمت کو بے عملی اور تساہل پسندی پر 'انذار' (WARNING) کا لہجہ اپنایا جائے تو دوسری طرف مثبت انداز میں مسلمانوں کی اخلاقی، عملی، علمی اور دینی بہتری کے لئے ٹھوس کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام کے غلبے کی کوشش ہر ذی شعور مسلمان پر فرض ہے اس کے لئے ہر جائز ممکن کوشش ضروری ہے تاہم اس غلبے کے بعد کی ضرورتوں کا احساس کر کے آج سے ان کی فراہمی کا اہتمام کرنا بھی از حد ضروری ہے۔

1940ء_ 1947ء تک تحریک پاکستان کے غلغلہ میں جنوبی ایشیا کے ہم مسلمان اس قدر منہمک ہو گئے کہ ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کے تقاضوں اور ضرورتوں کا احساس نہ رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 14/اگست 1947ء کے بعد جب پاکستان میں مسلمانوں کو اقتدار مل گیا تو مسلمان اسلامی ریاست کے اکثر اجتماعی میدانوں میں خالی ہاتھ تھے۔ نہ قانونی سطح پر کوئی قابل نفاذ اسلامی فقہ کی تدوین کا کام ہوا اور نہ تعلیمی سطح پر ہم کوئی نمونہ پیش کر سکے جو عصر حاضر کی ایک جدید فلاحی اسلامی جمہوری ریاست کی مستقبل کی ضروریات پوری کر سکے۔ اور افسوس صد افسوس یہ ہے کہ ان میدانوں میں آج تک ان اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کما حقہٗ کام نہیں ہو سکا۔ اس سلسلے میں ہر دردمند مسلمان کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اس سلسلے میں عملی تقاضوں کا مزید تذکرہ ان شاءاللہ اگلی دفعہ کریں گے۔

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ
کی روشنی میں
محاسبۂ اُخروی کے مراحل

انجینئر مختار فاروقی

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ ترتیب مصحف میں 55 اور 56 نمبر پر وارد ہوئی ہیں۔ ان کے مضامین میں حد درجہ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ سورۂ واقعہ کا آخری رکوع یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے وقت مکہ میں حق و باطل کی کشمکش زوروں پر تھی اور سردارانِ قریش نے اس دعوت حق اور حضرت محمد ﷺ کی مخالفت میں سخت رویّہ اختیار کر رکھا تھا۔ اپنے شرک کے نظریات کی حمایت میں جازم اور حق کی مخالفت میں صرف ضد اور ہٹ دھرمی کا رویّہ اپنائے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس اپنے موقف کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں تھی اور کسی مضبوط اخلاقی بنیاد پر قرآن مجید کی دعوت کا مواجہہ (FACE) کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ لہٰذا نفسیاتی طور پر وہ اندر سے شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ کھڑے تھے۔

جبکہ اہل ایمان اپنا مضبوط اور مدلّل موقف رکھتے تھے اور حق کی خاطر اطمینان قلب اور دل کی گہرائیوں سے جان و مال نثار کر کے چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔

اس پس منظر میں یہ سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ سورۃ الرحمٰن تو غالباً مکہ میں بھی نازل ہوئی اور مدینہ میں بھی۔ اس لئے کہ اس کے مضامین مکّی قرآن سے مشابہ ہیں۔ جبکہ صاحب تفسیر عثمانی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس سورت کو مدنی لکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

سورۃ الرّحمٰن

سورۃ الرحمٰن کا آغاز بڑا پُر جلال اور شاہانہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ رحمانی کے تذکرے کے ساتھ نزول قرآن کی نعمت اور تخلیقی عمل کی وسعتوں میں انسان کا اشرف المخلوقات بنا دینا بھی اُسی الرحمٰن کی بہت بڑی نعمت بتایا ہے۔ پھر انسان میں جو صلاحیتیں اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ودیعت کر دی گئیں ہیں ان میں سے سب سے اہم اور اعلیٰ صفت 'قوتِ بیان' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ گویا 'تعلیم قرآن' کی عظیم عطا اور تخلیق انسانی میں 'قوت بیانیہ' کا اعلیٰ ترین خلقی وصف کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ یہ فاطر فطرت کا حقیقی منشا ہے کہ جس کے لئے ایک انسان اپنے اعلیٰ تخلیقی مراحل سے گزر کر اور انسانیت اجتماعی طور پر طفولیت و لڑکپن کے ابتدائی مدارج سے آگے بڑھ کر اب عقلی بلوغت تک پہنچ چکی ہے اور دوسری طرف ارسالِ وحی اور انزالِ کتب کی تاریخ میں زبانی ہدایات سے آگے صحیفوں، زُبر اور کتب کے مرحلہ میں داخل ہو کر اعلیٰ ترین درجہ ہدایت میں ایک نادر اور بے مثال کتاب قرآن مجید حضرت انسان کے حوالے کر دی گئی ہے تا کہ وہ ــــــــ رہتی دنیا تک جستجو کی خواہش کی تکمیل کر کے خود اس قرآن مجید کے معدن سے اپنے لئے حسب ضرورت ہدایت اخذ کر سکے۔ اس طرح اُسے 'ہدایت یافتہ' ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا احساس بھی ہوگا مگر ــــــــ اس سے کہیں بڑھ کر یہ احساس ابھرے گا کہ یہ ہدایت اور اوامر و نواہی مجھ پر کسی نے ٹھونسے نہیں ہیں بلکہ ــــــــ قرآن مجید کے بحر ذخار سے احکام کے یہ موتی میں نے خود نکالے ہیں جو بڑے قابل قدر اور قیمتی ہیں۔ اب اس کی حفاظت، اشاعت، ترویج اور نفاذ اس کا ایک منطقی اور اخلاقی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں قرآن مجید کی تعلیمات میں حد درجہ توافق اور توازن کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کائنات میں آسمان و زمین، سیّارے اور کرّے سب ایک کامل توازن کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں لہٰذا روئے ارضی پر انسان کے صاحب اختیار ہونے کی بنیاد پر تخلیق اور موجودگی سے اس توازن کے خراب اور برباد ہونے کا حد درجہ امکان ہے جس کے لئے قرآن مجید کی شکل میں نوع انسانی کے لئے ایک 'متوازن' اور کائنات سے 'ہم آہنگ' ہدایت آ چکی ہے۔ اس ہدایت کے اجزا کی طرف بعض اشارے ہیں یہ آیات خداوندی ہیں پھر اُصولی طور پر اس حیات انسانی کے عارضی ہونے اور

امتحانی مرحلہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ بقا تو صرف خالق کائنات کو ہے روئے ارضی کی ہر چیز [اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہ (39-68)] فنا پذیر ہے جبکہ کائنات کا ذرہ ذرہ خالق، مالک ورب کے سامنے 'حادث' بھی ہے اور محدودیّت کا حامل بھی۔

انسانوں کے ساتھ ساتھ کائنات میں دوسری بااختیار مخلوق 'جنّ' کا بھی اس سورت میں تذکرہ ہے اور دونوں کو برابر خطاب کرکے قیامت کے دن کے محاسبہ کو برابر طور پر FACE کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنّوں کو اپنی نعمتوں کے بارے میں شکر اور تسلیم و رضا کی مطلوب کیفیت اور اپنی قدرتوں کو پہچاننے اور تسلیم کرنے کی تلقین کی ہے اور کفر و تکذیب سے کلّی اجتناب کا درس دیا ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس سورت میں بار بار آئی ہے (31 مرتبہ)۔

نیز اس دنیا میں جنّوں اور انسانوں میں سے جو بھی کائناتی توازن میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے گا اور اپنے کفر و شرک کے اعمال سے زمین میں 'فساد' برپا کرنے کی کوشش کرے گا ـــــــ اللہ تعالیٰ نے اُسے ڈانٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ غلطیوں، کوتاہیوں، گناہوں اور نافرمانیوں سے جب تک وہ اس کائناتی توازن میں کوئی ارتعاش اور 'تزلزل' کا باعث نہ بنیں درگزر فرماتا ہے جبکہ گناہ پر اصرار اور 'کبائر' سے سخت غضب ناک ہوتا ہے۔ اسی کا مظہر ہے کہ کئی قوموں پر عذاب خداوندی کا نزول ہوا ہے قوم شعیب علیہ السلام اور قوم لوط علیہ السلام اس کی واضح مثالیں ہیں۔ جنّوں اور انسانوں کے اعمال کو محفوظ کیا جا رہا ہے اور آخرت میں تو لازماً بلا رورعایت محاسبہ ہوگا اور ہر چھوٹا بڑا انسان اس مرحلہ سے گزر کر اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتے گا۔

پھر انسانوں اور جنوں کے لئے آخرت میں محاسبہ کے بعد کامیابی کے دو درجوں کا وضاحت سے تذکرہ ہے۔ دو جنتیں جنوں کے لئے ہیں اور دو ہی جنّتیں کامیاب انسانوں کے لئے ہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کی جنت اور دوسری مقابلتاً کم درجے کی جنّت کا ذکر ہے اور ان کے احوال کا تذکرہ ہے پہلے ثانوی درجے کی جنت کا ذکر ہے جبکہ سورۃ کے آخر میں اعلیٰ درجے کی جنت کا تذکرہ ہے اور دونوں جنّتوں میں ملنے والی سہولتوں اور مراعات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

سورۃ الواقعۃ

ترتیب مضامین کے اعتبار سے سورۃ الواقعہ کے مضامین کی ترتیب سورۃ الرحمٰن کی ترتیب کا عکس ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں پہلے قرآن مجید کی عظمت کا ذکر ہے پھر کچھ کائناتی حقائق کی طرف اشارہ ہے پھر اہل دوزخ کا ذکر ہے اور آخر میں اہل جنت کا۔ جبکہ سورۃ الواقعہ میں جنوں کا ذکر نہیں ہے (مابین السطور ہے) پہلے آخرت کے احوال کے ساتھ ہی اہل جنت کا ذکر ہے یہاں دونوں درجوں کے خوش نصیب انسانوں کے لئے 'سابقون' اور 'مقربین' کی اصطلاح بیان فرمائی گئی ہے۔ سابقون کی اصطلاح دعوت حق کو آگے بڑھ کر قبول کرنے والوں کی شان ظاہر کرتی ہے اور یہی لوگ مقربِ بارگاہ ہوں گے۔ جبکہ تقرب اور مقرب کے الفاظ انسانی عمل کے روحانی اور نفسیاتی پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ارادۃً انسان قرب الٰہی کے حصول کے لئے کوشاں ہو اور اس کے شایانِ شان اعمال کا توشہ بھی مہیّا کرے۔ راہِ حق کے ان مسافروں میں جو خوش نصیب آگے نکل گئے وہ 'مقرب' کہلائیں گے اور جو مقابلتاً پیچھے رہ گئے وہ بھی کامیاب ہوں گے۔ ان کا تذکرہ 'مقربین' کے متصلاً بعد ہے یہ 'اصحاب الیمین' ہوں گے۔ اس کے بعد اہل دوزخ یا 'اہل النار' کا تذکرہ ہے بعد ازاں چندروزمرہ مشاہدے کے حقائق.....جن پر انسان اپنی مصروفیات اور رواروی کی وجہ سے غور نہیں کر پاتا۔ انداز خطاب جھنجھوڑنے اور جگانے کا ہے۔ سورۃ کے آخری حصے میں قرآن کریم کی اعلیٰ شان کا بڑے جلال کے ساتھ تذکرہ ہے اور انداز بھی پُر ہیبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں جنوں کے تذکرے میں قرآن میں وارد 'شہاب ثاقب' کے گرنے کے عمل کی طرف اشارہ کر کے اُسے گواہی کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایمان لانے والے جنوں نے خود اعتراف کیا تھا (سورۃ جن 72) کہ ہم آسمان کے راستوں پر پہلے بھی گھومتے تھے مگر ایک عرصے سے ہم ان راستوں پر سخت پہرہ دیکھتے تھے اور ہمیں تو ان راستوں سے بھگا دیا جاتا تھا اور ہم سمجھتے تھے کہ دنیا میں یا تو قیامت آنے والی ہے کہ اس کے متعلق احکام بڑے صیغہ راز میں زمین پر آرہے ہیں یا کوئی اور بڑا واقعہ ہونے والا ہے۔ اب پتا چلا کہ یہ نزولِ قرآن کے سلسلے میں سخت ترین سیکورٹی انتظامات کا معاملہ تھا اور شیاطین جنّ کو کثرت اور شدت سے وہاں سے بھگا دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران تقریباً 2/3 حصہ قرآن پاک کا نازل ہوا ہے اور حضرت

جبرئیل علیہ السلام بار بار وحی جلی یا وحی خفی لے کر آپ ﷺ پر اُترتے رہے ہیں۔ الاتقان میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آپ ﷺ پر نازل ہونے سے متعلق لکھا ہے کہ یہ تعداد تقریباً 24000 ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ پر اتنی دفعہ اُترے ہیں۔ شیاطین جن کے بھگانے کے لئے شہاب ثاقب کے گرنے کے عمل کے تواتر کی اللہ تعالیٰ نے 'فلا اقسم بمواقع النجوم' کے الفاظ سے قسم کھائی ہے جس سے اس واقعہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ قرآن کے تذکرے میں کفار کی حد درجہ مخالفت اور غیر معقول رویے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی بڑی نعمت آ رہی ہے تو تم اپنی بدنصیبی دیکھو کہ تمہارا حصہ (ROLE) صرف یہ ہے کہ تم اس کی تکذیب کر رہے ہو۔ افسوس ہے اس محرومی والے مقدّر پر۔ بعد ازاں مشرکین کو ان کے منفی رویّوں سے باز رکھنے کے لئے حقیقت کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

سب سے آخر میں فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ حالات کو دیکھتے جایئے صبر کیجئے یہاں تک کہ اہل حق کے لئے حق کا ساتھ دینے اور ان کی قربانیوں کا نتیجہ سامنے آ جائے اور مشرکین مکّہ کا حق سے اعراض کا بُرا انجام بھی۔

انسانوں کے لئے آخرت کے مراحل اور درجات جنّت

اگرچہ سورۃ الرحمٰن میں جنوں اور انسانوں دونوں کے لئے دو دو جنّتوں کا ذکر ہے اور پوری سورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور قدرتوں کے انکار سے اجتناب کے لئے بھی دونوں مخلوقات کا ذکر تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ تاہم ـــــــــ ان سطور میں ہم صرف اولادِ آدم علیہ السلام کے لئے ہی حالات و واقعات کا تذکرہ کریں گے۔

حشر کے دن کے مراحل

(1) نفخۂ اُولٰی ہمارے ہاں قیامت کا لفظ بڑے وسیع معنی میں مستعمل ہے اور اس کے کئی مراحل ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا مرحلہ 'السّاعۃ' ہے یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا فرما دیں گے کہ کسی خاص وقت میں تمام انسان ختم ہو جائیں گے اور یوں ایک طرح سے "END OF HISTORY" یا "END OF MANKIND" کا مرحلہ آ جائے گا۔

احادیث مبارکہ میں اس مرحلہ کو نفخۂ اولیٰ کہا گیا ہے یعنی پہلی دفعہ صور پھونکنا حضرت اسرافیل علیہ السلام ایک مقرّب بارگاہ فرشتے ہیں اور وہ صور پھونکنے کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں جیسے ہی انہیں حکم ہوگا وہ 'صور' پھونک دیں گے اور ہر شخص اس آواز کو سنے گا اور اس پر اس آواز کے اثرات مرتب ہوں گے۔ سورۂ حج کے آغاز میں اس مرحلہ کا نقشہ یوں آیا ہے

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ O یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ O

''اے لوگو اپنے پروردگار (کی طرف سے محاسبۂ اُخروی) سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثۂ عظیم ہے۔ (اے مخاطب) جس دن تو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والی عورتیں (اور جانور) اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنے حمل گرا دیں گی اور لوگ تجھ کو مدہوش نظر آئیں گے مگر وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) بے شک اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا''۔ (2-1/22)

(2) عالم برزخ پہلے مرحلہ میں انسانوں کے علاوہ اور کیا کیا ختم ہو جائے گا یا کیا کیا باقی رہے گا یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے پہاڑ ختم ہو جائیں گے انسانی بنائی ہوئی عمارات ختم ہو جائیں گی اور ایک بہت بڑا چٹیل میدان کئی سو ارب انسانوں کے جمع ہونے کے لئے بنا دیا جائے گا۔ قرائن بتاتے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مساجد (مساجد ضرار کے علاوہ) بھی باقی رہ جائیں گی اور قیامت کے دن تمام انسانوں کے حساب کتاب کے لئے مختلف مراحل کی تیاری فرشتوں کے ذریعے مکمل کر لی جائے گی۔ مثال کے طور پر جس طرح کی تیاری کسی سرکاری سکول میں کسی بڑے افسر کے معائنہ یا دورے یا اہم واقعہ کے موقع پر کی جاتی ہے۔

(3) نفخۂ ثانیہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ذریعے دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے یہاں دنیا میں مختلف عمروں کے لوگ ہوتے ہیں جبکہ قیامت کے دن تمام لوگ ایک ہی وقت میں پیدا ہوں گے تو ایک ہی عمر کے ہوں گے یعنی 30_40 سال

کے درمیان کی بھرپور جوانی کی عمر۔ اہل ایمان تو اپنے رشتے کے اہل ایمان لوگوں کو پہچانیں گے جبکہ باقی لوگوں میں رشتہ داری اور لحاظ ختم ہو جائے گا۔ ایک اور حکم (نفخہ) ہوگا اور تمام انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لئے میدان حشر میں جمع ہو کر صفیں باندھ لیں گے۔ کوئی بھی شخص وہاں سے غائب نہیں ہوگا۔ فرشتے الگ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے مستعد کھڑے ہوں گے۔

(4) اللّٰہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال تمام تیاریاں مکمل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ بیت اللہ پر اپنی خصوصی تجلی فرمائیں گے اور نزول اجلال فرمائیں گے جیسے بعض احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ رات کے پچھلے پہر پہلے آسمان پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور لوگوں سے توبہ کے لیے مخاطب ہوتے ہیں جیسے طور پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے اسی طرح لوگ اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے اور باتیں کریں گے۔ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال کا نقشہ قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَ عُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (48-18)

''اور سب (انسان) تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے کہ) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آ گئے ہو.....''

یہ کعبہ پہلے سے ہی 'اللہ کا گھر' کہلاتا ہے۔ میدان عرفات میں لوگ جمع ہوں گے یہیں قریب کہیں حوضِ کوثر ہوگا احادیث کے مطابق جس کا ایک کنارہ مدینے کے پاس دوسرا عدن کے پاس اور تیسرا کنارہ حضرموت کے پاس ہوگا۔

(5) حساب کتاب کا مرحلہ تمام انسانیت بارگاہ خداوندی میں موجود ہوگی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور سب شہداء کو سامنے لایا جائیگا۔ اس دن کوئی شخص از خود بات نہیں کر سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو اور تمام انسانوں کے فیصلے ہو جائینگے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (39-69)

''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی۔ اور پیغمبر (علیہم السلام) اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور ان (انسانوں) میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور دھاندلی نہیں کی ہوگی''

قیامت کا دن

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک زیادہ سے زیادہ سات آٹھ ہزار سال کا عرصہ ہے جس میں اربوں انسان آئے، ہزاروں پیغمبر آئے ہزاروں تہذیبیں اُٹھیں اور ختم ہوگئیں ایک طویل معاملہ ہے جبکہ قیامت کا صرف ایک دن 50,000 سال کا ہوگا اور اس میں کوئی وقفہ بھی نہیں ہوگا نہ رات ہوگی۔ کئی سو ارب انسانوں کے معاملات پیش ہوکر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اس دن سخت گرمی ہوگی۔ سایہ نہیں ہوگا اہل ایمان میں سے اعلیٰ درجے کے لوگوں کے لئے عرش الٰہی کا سایہ ہوگا کعبۃ اللہ ہوگا اور امکان ہے کہ دنیا بھر کی مساجد بھی اہل ایمان کے لئے ستانے کی جگہ کے طور پر موجود ہوں گی۔ 2005ء میں جو 'سونامی' کے نام سے سیلاب آیا تھا اور انڈونیشیا وغیرہ کے ساحلی علاقے تباہ ہوگئے تھے وہاں آبادیاں تباہ ہوگئیں مگر مسجدیں کھڑی رہیں۔ اسی طرح الساعۃ میں بھی ہوگا (واللہ اعلم)۔ سخت مراحل ہوں گے۔ کوئی سفارش نہیں ہوگی نہ برادری کام آئے گی نہ رشتہ داری فائدہ دے گی صرف اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔

اہل جنت اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل ہوجائیں گے اور اہل النار دوزخ پہنچا دیے جائیں گے۔ جنت کے دروازے کھلے ہوں گے کہ کوئی باہر جانے کا سوچ بھی سکتا۔ جبکہ دوزخ کے دروازے داخلے کے بعد بند کر دیے جائیں گے؛ اس لئے کہ باغوں کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور جیل خانوں کے دروازے بند ہوتے ہیں اور ساتھ پہرہ بھی ہوتا ہے۔

جنت اور دوزخ کے فیصلے

جب انسانیت کا حساب کتاب شروع ہوگا اور ہر انسان کی پوری زندگی کی تفصیل سامنے لائی جائے گی اور ہر شخص سے پانچ سوال ہوں گے اور تمام چھوٹی بڑی باتوں کی جواب دہی کرنی ہوں گی۔ یہاں اتنی تفصیل کا نہ موقع ہے اور نہ مناسبت۔ مجموعی طور پر تمام انسانیت اہل جنت اور اہل النار یا اہل جہنم میں تقسیم ہوجائے گی۔

اللہ کے باغی اور دشمن جہنم میں

سب سے بدنصیب انسان وہ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اُن کے گھناؤنے اعمال کے سبب بلاحساب دوزخ میں ڈال دے گا۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے لئے فلا نقیم لھم یوم القیٰمة وزنًا [ہم ان کے لئے روزِ قیامت تول نہیں لگائیں گے (18-105)] فرعون، نمرود، ابوجہل جیسے ننگ انسانیت لوگوں کی نیکیاں ہیں ہی نہیں اور بداعمالیوں کا ڈھیر ہے۔ لہٰذا وزن کرانے کا اہتمام اپنے اہلکاروں کا وقت ضائع کرنے والی بات ہے ایسے ہزار ہا ہزار لوگ بلاحساب واصل بجہنّم کردیے جائیں گے۔ دوسرے درجے میں فرعونوں نمرودوں کے علاوہ دوسرے کافر آئیں گے اور فیصلے کے بعد واصل بجہنم ہوجائیں گے۔ (اعاذنا اللہ من ذالک)

اہل جنت کا اوّلین درجہ_ بلاحساب جنت کا فیصلہ

اچھے لوگوں میں سے بھی کتنے ہی خوش نصیب ہوں گے جن کے بارے میں پیش ہوتے ہی جلدی جنت کا فیصلہ ہوجائے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام تو ہیں ہی اس زمرہ کے اہل جنت، انبیاء کرام کے علاوہ بھی بے شمار لوگ ہوں گے۔ اس لئے کہ ان کے نامہ اعمال میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی اور بداعمالیاں نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔ یہ لوگ تفصیلی حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل کردیے جائیں گے۔

ایسے خوش نصیب لوگوں کا حساب کتاب واقعی آسان رہے گا اور قیامت کے دن کی سختیوں اور انتظار کی مشکل گھڑیوں سے بچ جائیں گے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا مگر کسی تفصیلی حساب کتاب کے بغیر ہی اچھے اعمال کی کثرت اور نافرمانی کے نہ ہونے کے برابر ہونے کی وجہ سے جنت کا فیصلہ کردیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے لئے اللہ والے (ربّیّون) انبیاء کرام علیہم السلام کے حواری اور 'مقرّبین' کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق ستر ہزار لوگ بلاحساب جنت میں چلے جائیں گے۔ عربی محاورے میں ستّر کا لفظ کثرت کے لئے آتا ہے جیسے ہماری زبان میں کسی کو ایک کام کئی بار کہا جائے تو اس کے اظہار کے لئے کہا جاتا ہے کہ ''تمہیں سو (100) مرتبہ کہا ہے کہ ایسے کرو ایسے نہ کرو'' یہ سو (100) مرتبہ گن کر نہیں کہا جاتا بلکہ محاورۃً کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں ستر کا ہندسہ بھی

کثرت پر بولا جاتا ہے گویا اس کے معنی ہوں گے کہ بہت سارے ایسے خوش نصیب لوگ ہوں گے جو بلاحساب جنت میں چلے جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں شامل کرے آمین) یہ لوگ جنت میں اعلیٰ ترین مقام کے مستحق ہوں گے۔

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ میں جس اعلیٰ درجے کی جنت کا حال بیان ہوا ہے وہ انہیں مقربین بارگاہ قسم کے لوگوں کا بیان ہے السابقون الاولون بھی یہی لوگ ہیں۔ صاف ظاہر ہے اس اعلیٰ جنت کے بھی کئی سیکٹرز (حصے) ہوں گے اور اس درجے کے اہل جنت بھی سب برابر نہیں ہوں گے۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ دوسری جنت سے یہ لوگ ہر حال میں بہتر ہوں گے۔ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (56--14-13)

''وہ بہت زیادہ تو اگلے (دورِ صحابہ ﷺ تک) لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے''

یہ لوگ اتنے سکون اور آرام سے حساب کتاب کے مراحل سے گزریں گے کہ انہیں اپنے اچھے اعمال کے سبب قیامت کے دن کی سختیوں کا کوئی احساس تک نہیں ہوگا اور انہیں اس دن گرم ہوا بھی نہیں چھوئے گی۔ (52-27)

حساب کتاب کا دوسرا مرحلہ ___ اہل جنت کا دوسرا درجہ

اہل ایمان میں سے CREAM OF MUSLIMS کے الگ ہو جانے کے بعد میں جو اہل ایمان بچیں گے ان کا تفصیلی حساب کتاب شروع ہوگا اور یہ تفصیلی حساب کتاب بلاشک وشبہ سخت مشکل مرحلہ ہوگا۔

مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جو بزنس ادارے ٹیکس نیٹ میں ہیں اور ٹیکس دیتے ہیں یہ ادارے ہر سال انکم ٹیکس ریٹرن (RETURN) دیتے ہیں۔ بعض اداروں کی ریٹرن AS IT IS قبول کرلی جاتی ہے اور بعض ادارے تفصیلی جانچ پڑتال (DETAILED SCRUTINY) میں آجاتے ہیں۔ جن اداروں کی ریٹرن قبول کرلی گئی ان کا معاملہ بلاحساب جنت میں داخل ہونے والوں کی مثال کے قریب ہے اور جن اداروں کی

ریٹرن تفصیلی جانچ پڑتال کے لئے رکھ لیتے ہیں ان کا معاملہ اس دوسرے مرحلہ کے حساب کتاب کی مثال ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ یہ مرحلہ سخت مشکل مرحلہ ہوگا

مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ (بخاری عن عائشة رضی الله عنها)

''جس کا حساب کتاب شروع ہوگیا وہ تو عذاب میں پھنس گیا۔''

قصّہ مختصر ـــــــ بہرحال جن خوش نصیب افراد کے معاملات کی جانچ پڑتال کے بعد ان کی نیکیاں بڑھ جائیں گی اور برائیاں کم رہ جائیں گی ـــــــ وہ خوش نصیب بھی جنّت میں چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں سے کرے۔ (آمین)

اہل جنت کے یہ دو درجے بڑے خوش نصیب اور خوش بخت لوگوں پر مشتمل ہوں گے کہ دوزخ کا منہ دیکھے بغیر جنت میں جا بسیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربّ العالمین ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (03-185)

''تو جو شخص دوزخ کی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ مُراد کو پہنچ گیا''

بلاشک وشبہ قیامت کے دن دوزخ سے بچ کر جنت میں داخلہ کا اذن ہو جانا یا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں آجانا بڑی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

اس مرحلہ میں اہل ایمان کے لئے حساب کتاب میں دیر لگے گی، دنیا میں کم وسائل والے لوگ اور مساکین جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں گے وہ جلدی جنّت میں چلے جائیں گے اور جنہیں دنیا میں بے پناہ وسائل دیے گئے تھے اور ان کے معاملات پھیلے ہوئے تھے وہ اہل ایمان حساب کتاب میں کافی وقت لگا کر کامیاب ہونے کے بعد ہی جنت میں جاسکیں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ صحابہ کرام ؓ میں سے اصحابِ صُفّہ (ؓ) اغنیائے صحابہ (ؓ) سے پانچ سو سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے اس لئے کہ اصحاب صُفّہ کے وسائل کم تھے وہ آج کل کے امیگریشن کی طرح ہینڈ بیگ کے ساتھ گرین چینل کے ذریعے جلدی فارغ ہو جائیں گے اور اغنیائے صحابہ (ؓ) بہت سارا سامان ساتھ لانے والوں کی طرح چیکنگ میں دیر لگا کر فارغ ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

حساب کتاب میں حقیقی نیکی ہی وزن دار ہوگی

اس مرحلہ پر اس بات کی وضاحت ایک غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شاید سارے اہل ایمان ہی اس مرحلے میں کامیاب ہو جائیں گے یا بزعم خود ہر نیکیاں کرنے والا ہی جنّت میں چلا جائے گا۔ حقیقتاً اس مرحلہ پر 'حقیقی نیکی' ہی کام آئے گی اور قرآن مجید کا تصور نیکی ہی فائدہ دے گا۔ جبکہ نیکی کے خود ساختہ اور مسخ شدہ تصورات کسی کام نہیں آئیں گے جیسے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (02-177)

''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔''

اس حقیقی نیکی کے تصور سے تہی دست لوگ مقرّبینِ بارگاہ تو کیا ہوں گے دوسرے درجے کی کامیابی میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔ نفاق کا بھرم بھی اسی موقع پر کھل جائے گا۔ اسی سلسلے میں تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے ایک حدیث مبارکہ کا مطالعہ مطلب کی وضاحت کے لئے کفایت کرے گا اور وہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یہ ہے

قَـالَ رسُـوْلُ الـلّٰه ﷺ: أَ تَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَادِرْهَـمَ لَـهٗ وَ لَامَتَـا عَ، فَـقَـالَ: اِنَّ الْـمُـفْـلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلَاةٍ وَ صِیَامٍ وَ زَکَاةٍ وَ یَأْتِیْ قَدْشَتَمَ هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَ أَکَلَ مَـالَ هٰـذَا وَ سَـفَكَ دَمَ هٰذَا وَ ضَرَبَ هٰذَا، فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ هٰـذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَإِنْ فُنِیَتْ حَسَناتُهٗ قَبْلَ اَنْ یقْضی مَاعَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (مسلم۔ابوهريرة رضی اللہ عنہ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ دیوالیہ اور مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مفلس ہمارے یہاں وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس نہ تو درہم ہو اور نہ کوئی اور سامان۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس اور دیوالیہ وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے پاس حاضر ہوگا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اُس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال مار کر کھایا ہوگا کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو ناحق مارا ہوگا تو ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی، پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو اُن کی غلطیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی، اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''

آج ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ کن تصوّرات کے تحت زندگی کے دن گزار رہا ہے اگر اس کا تصوّرِ نیکی قرآن مجید، اُسوۂ رسول ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہٹ کر کوئی تصوّر ہے تو اس تصور اور عقیدہ کے تحت کئے ہوئے اعمال کل قیامت کے دن قبول نہیں ہوں گے سادہ الفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں قرآن مجید اور جہاد سے عبارت تھیں لہٰذا ہمارا زندگی گزارنے اور اعمال کمانے کا کوئی ایسا تصوّر جس میں قرآن مجید کو ایک مکمل رہنمائی دینے والی کتاب کے طور پر مرکزی اہمیّت نہ دی گئی ہو اور جس میں بالفعل جہاد یا جہاد کی تیاری کا خمیر نہ پایا جاتا ہو ـــــــ وہ آخرت میں کام نہیں آئے گا چاہے دنیا میں اس سے کتنی ہی عزت مل جائے اور لوگ آگے پیچھے احتراماً موجود ہوں۔۔ اس مدّعا کی وضاحت کے لئے ایک اور حدیث بھی ملاحظہ کر لینا نہایت

ضروری ہے وہ حدیث قدسی درج ذیل ہے

((اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی جِبْرِیْلَ ﷺ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ کَذَا وَکَذَا بِاَهْلِهَا۔ قَالَ: "یَارَبِّ اِنَّ فِیْهِمْ عَبْدَكَ فُلاَنًا لَمْ یَعْصِكَ طَرْفَةَ عَیْنٍ)) قَالَ: ((فَقَالَ: اِقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ)) (رواہ البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح عن جابر ﷺ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل ﷺ کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں پر الٹ دو۔ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ اے ربّ! ان میں تیرا ایک بندہ ہے جس نے کبھی لحہ بھر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ حکم ہوا کہ اس بستی کو پہلے اس پر اور پھر ان پر اُلٹا دو کیونکہ (وہ میرے احکام کی خلاف ورزی کو دیکھتا رہا اور) کبھی بھی اس کے چہرہ کا رنگ نہیں بدلا''

گویا کسی خودساختہ تصوّر کے تحت زندگی گزارنے سے ہوسکتا ہے دنیا میں بڑی عزت اور مقام مل جائے، عوام میں مقبولیت ہو اور قدرومنزلت ہو جاہ وجلال اور مال ودولت بھی نصیب ہوجائے۔ مگر آخرت میں یہ نیکی کام نہیں آئے گی جو نیکی کا کام آخرت میں کام نہ آئے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس سے آج ہی توبہ بھلی۔

اہل ایمان کا ایک تیسرا حصہ (باقی ماندہ سچے مسلمان)

اوپر مذکور اہل ایمان میں سے دو قسم کے خوش نصیب حضرات کے جنت میں چلے جانے کے بعد جو اہل ایمان بچیں گے اب ان کا مرحلہ درپیش ہوگا۔ واضح رہے کہ منافقین کا معاملہ تو ابتدائی درجے میں 'پل صراط' کے مرحلہ پر علیحدہ ہوجائے گا۔ اس قسم کے اہل ایمان یا ایمان کے مدّعی وہ ہیں جن کا ایمان کا دعویٰ ہی قابل قبول نہیں ہے وہ کلمہ گو ہیں مگر ان کا کلمہ مردود ہے یہ منافق کہلاتے ہیں۔ دنیا میں قانوناً مسلمان رہتے ہیں مگر آخرت میں ان کا دعویٰ ایمان بے وزن ہوگا اور ایسے لوگ (مختلف درجوں میں) کافروں جیسے انجام سے دوچار ہوں گے یعنی جہنم میں جائیں گے بلکہ ان کلمہ گو کافروں کو آپ ﷺ کی محفلیں ملیں مسلمانوں سے میل جول رہا پھر بھی حقیقی ایمان نہ پاسکے اس لئے ان منافقوں کا انجام کافروں سے بدتر ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (04-145)

''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے''

کمزور ایمان کے لوگ جو عمل میں بھی کمزور تھے

کمزور ایمان کے ساتھ مسلمانوں کا ایک مخلص طبقہ ایسا ہوگا کہ علم خداوندی میں ان کے ایمان کا تو اثبات ہوگا گویا یہ شخص ہے تو اہل ایمان میں سے ـــــــ مگر نہ 'بے حساب' جنت میں جانے میں شمار ہو سکا اور نہ 'حساب کتاب' کے بعد نیکیاں بڑھ جانے کی وجہ سے جنت میں جانے کا مستحق ٹھہرا۔ اس کے اعمال کا معاملہ گڑبڑ تھا متعدد وجوہات کی بنا پر اس کی نیکیاں کم رہ گئیں اور برائیاں زیادہ ہوگئیں کچھ وجوہات خارجی بھی ہوسکتی ہیں غلط ماحول، غلط معاشرہ اور غلط تعلیم وغیرہ اور کچھ داخلی وجوہات بھی ہوسکتی ہیں جیسے سستی، کاہلی اور غفلت وغیرہ۔

ایسے لوگ ہوں گے تو ایک قسم کے' مگر تفصیلات میں جائیں تو خرابی کی مقدار کے اعتبار سے ان کے بہت سے درجے ہوں گے۔ مثلاً کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس کی نیکیاں معیار مطلوب سے دو چار ہی کم ہوں اور ایسے بھی ہوں گے جن کی نیکیوں کی کمی (SHORT FALL) بہت زیادہ ہو۔ ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ ایک خاص معاملہ فرمائیں گے۔ اس کی تفصیل بعد میں ذکر کریں گے۔

قرآن پاک میں دو جنتوں کا ذکر

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اور صراحت کے ساتھ صرف دو جنتوں کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کی جنت جو مقربین بارگاہ حضرات کے لئے ہوگی جس میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے حوّاری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلص اہل ایمان، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، باعمل علماء، عادل بادشاہ، دین کے خادم اور عام اچھے مسلمان۔ جیسے ایک حدیث میں سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے جگہ ملنے کی خوش خبری دی گئی ہے (مسلم، باب فضل اِخفاء الصدقة) یہاں اہل جنت میں بھی حفظ مراتب ہوں گے۔ اعلیٰ ترین درجہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوگا اور درجہ بدرجہ انبیاء کرام علیہم السلام مقربین اور سابقین صدیقین اور شہداء اسی میں ہوں گے۔

اعلیٰ درجے کی جنت سے ذرا کم ـــــــــ جنت کا دوسرا درجہ ہے جس میں وہ خوش نصیب لوگ جو اپنے اعمال کی تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد نیکیاں بڑھ جانے کی وجہ سے براہِ راست جنت میں جائیں گے۔ اس جنت کا ذکر سورۂ الرحمٰن میں پہلے ہے اور سورۃ الواقعہ میں بعد میں ہے ایسے لوگوں کیلئے سورۂ الرحمٰن میں تو کوئی اصطلاح نہیں آئی مگر سورۃ الواقعہ میں ان خوش بخت لوگوں کیلئے اصحاب الميمنة (یا دوسری جگہ اصحاب اليمين) کے الفاظ آئے ہیں۔

ان دونوں قسم کی جنت کی جو تفاصیل ان دونوں سورتوں میں آئی ہیں ان میں بعض بنیادی انعامات اور سہولتوں کے اشتراک کے باوجود بہت سی تفاصیل میں فرق ہے اس پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے اس کے لئے ان سورتوں کا بار دگر باترجمہ مطالعہ کفایت کرے گا۔

اہل سنت کا عقیدہ..... گنہگار اہل ایمان کا جہنم میں عارضی طور پر جانا

قرآن مجید میں پہلے دو درجوں میں کامیاب لوگوں کے لئے دو جنتوں کا ذکر وضاحت سے ہے جبکہ ایک اور طبقہ جس کا ابتدائی تذکرہ ہم نے اوپر کیا اس کے بارے میں واضح تذکرہ نہیں ہے بلکہ اشارے ہیں اور احادیث مبارکہ میں کچھ توقع دلائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کے شایاں بات یہی ہے کہ اُن سے بھی کسی قدر نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکامات اور اشارات کو جمع کر کے سوادِ اعظم اہل سنت کی رائے اور عقیدہ یہ ہے کہ اس طبقے کے لوگوں کو گناہوں کے زیادہ ہو جانے اور نیکیوں کے کم رہ جانے کی سزا کے طور پر کچھ معین عرصے کے لئے (اپنی غلطیوں اور خطاؤں کے متناسب) جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ لوگ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر اور روحانی طور پر گناہوں کے اثرات سے پاک صاف ہو کر ـــــــــ بالآخر جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا یہ صورت حال کوئی دس، بیس یا سو انسانوں کا معاملہ نہیں ہوگا بلکہ اربوں انسانوں کے ساتھ یہ مرحلہ پیش آئے گا اور ایک اندازے کے مطابق حقیقی اہل ایمان کا بہت بڑا حصہ اسی زمرے میں شامل ہوگا اور اسی طرح جنت میں داخلے کا مستحق ٹھہرے گا۔

اس رائے اور عقیدہ کے حق میں تفصیلی دلائل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے لئے علماء حق سے رجوع کیا جا سکتا ہے اور رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

جہنم میں عارضی طور پر بھیجے جانے سے متعلق دو وضاحتیں

(1) جہنم میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے عارضی طور پر جانے والے اہل ایمان کی تعداد چونکہ کئی ہزار کروڑوں میں ہوگی لہٰذا ان میں درجہ بندی بھی ہوگی۔ ان میں سے کوئی پہلا شخص ہوگا جو جہنم میں داخلے کے جلدی بعد باہر نکال لیا جائے (جیسے یہود کا عقیدہ تھا جسے قرآن پاک نے بیان کیا ہے کہ ہم اولاً تو دوزخ میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر بھیجا بھی جائے گا تو گنتی کے چند دن) اور کوئی شخص ایسا ہوگا جو اس زمرہ میں شامل ہوگا اور سب سے آخر میں جہنم سے خلاصی پائے گا۔ باقی اہل جہنم وہ ہوں گے جو کافر و زندیق و منافق تھے ان کے لئے 'خلود فی النار' کی سزا ہوگی۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔ (واضح رہے کہ یہود چونکہ پہلے قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم اور مدینے میں آپ ﷺ پر ایمان نہ لا کر بھی جنت میں داخلے کے مدّعی تھے کہ دوزخ میں 'ذرا سی سزا' کے بعد دوبارہ نکال لیے جائیں گے۔ قرآن مجید نے اس نظریہ کی تغلیط کی ہے۔)

احادیث مبارکہ میں کسی صورت حال کو سمجھانے کے لئے اسی قسم کی انتہائی مثالوں سے بات واضح کی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمان رسالت مآب ﷺ میں ایمان والا آخری شخص جو جہنم سے نکالا جائے گا اس کی تفصیل مذکور ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اٰخِرُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ رَجُلٌ فَھُوَ یَمْشِیْ مَرَّۃً وَ یَکْبُوْ مَرَّۃً وَ تسفعه النَّارُ مَرَّۃً فَاِذَا مَاجَاوَزَھَا الْتَفَتَ اِلَیْھَا فَقَالَ تَبَارَکَ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْکِ لَقَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰہُ شَیْئًا مَااَعْطَاہُ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ، فَتُرْفَعُ لَہٗ شَجَرَۃٌ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ! اَدْنِنِیْ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ فَلَاَسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا وَ اَشْرَبَ مِنْ مَائِھَا فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ یَا ابْنَ آدَم! لَعَلِّیْ اِنْ اَعْطَیْتُکَھَا سَأَلْتَنِیْ غَیْرَھَا فَیَقُوْلُ لَا یَا رَبِّ وَ یُعَاھِدُہٗ اَنْ لَایَسْأَلُہٗ غَیْرَھَا وَ رَبُّہٗ یعذره لِاَنَّہٗ یَرٰی مَالَاصَبْرَ لَہٗ عَلَیْہِ فَیُدْنِیْہِ مِنْھَا فَیَسْتَظِلُّ بِظِلِّھَاوَ یَشْرَبُ مِنْ مَائِھَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَہٗ شَجَرَۃٌ ھِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰی فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ ھٰذِہِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَائِھَا وَ اَسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا لَااَسْأَلُکَ غَیْرَھَا فَیَقُوْلُ یَا ابْنَ آدَم

اَلَمْ تُعَاهِدْنِیْ اَنْ لَاتَسْأَلَنِیْ غَیْرَهَا فَیَقُوْلُ لَعَلِّیْ اِنْ اَدْنَیْتُكَ مِنْهَا تَسْأَلُنِیْ غَیْرَهَا فَیُعَاهِدُهٗ اَنْ لَّایَسْأَلَهٗ غَیْرَهَا وَ رَبّه یعذره لِاَنَّهٗ یَرٰی مَا لَاصَبْرَلَهٗ عَلَیْهِ فَیُدْنِیْهِ مِنْهَا فَیَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَ یَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَیٰنِ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهٖ لِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَ اَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا لَااَسْأَلُكَ غَیْرَهَا فَیَقُوْلُ یَاابْنَ آدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِیْ اَنْ لَّاتَسْأَلَنِیْ غَیْرَهَا قَالَ بَلٰی یَارَبِّ هٰذِهٖ، لَااَسْأَلُكَ غَیْرَهَا وَ رَبُّه یعذره لِاَنَّه یَرٰی مَالَاصَبْرَلَهٗ عَلَیْهَا فَیُدْنِیْهِ مِنْهَا فَاِذَا اَدْنَاهُ مِنْهَا فَیَسْمَعُ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْخِلْنِیْهَا فَیَقُوْلُ یَاابْنَ آدَمَ مَا یصرینی مِنْكَ أَیُرْضِیْكَ اَنْ اُعْطِیَكَ الدُّنْیَا وَ مِثْلَهَا مَعَهَا قَالَ یَارَبّ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّیْ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ: اَلَاتَسْأَلُوْنِیْ مِمَّ اَضْحَكُ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ قَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: مِمَّ تَضْحَكُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ حِیْنَ قَالَ أَتَسْتَهْزِئُ مِنِّیْ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فَیَقُوْلُ: اِنِّی لَااَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّیْ عَلٰی مَا أَشَاءُ قَادِرٌ (مسلم عن عبداللّٰه ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے آخر میں جو جنت میں جائے وہ ایک شخص ہوگا جو کبھی چلے گا کبھی اوندھا گرے گا اور کبھی جہنم کی آگ اس کو جلائے گی پھر جب دوزخ سے پار ہو جائے گا تو مڑ کر اس کو دیکھے گا اور کہے گا بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا نہ اگلوں میں نہ پچھلوں میں۔ پھر اس کو ایک درخت دکھلائی دے گا، وہ کہے گا اے پروردگار! مجھ کو اس درخت کے نزدیک کر دے کہ میں اس کے سایہ میں رہوں اور اس کا پانی پیوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! شاید اگر میں تیری یہ حاجت پوری کر دوں تو تو اور سوال کرے۔ وہ کہے گا نہیں، اے میرے رب، اور وہ وعدہ

کرے گا کہ پھر میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کر لے گا اس لیے کہ وہ ایسی نعمت کو دیکھے گا جس پر اس سے صبر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے نزدیک کر دے گا وہ اس کے سائے میں رہے اور وہاں کا پانی پیئے گا۔ پھر اس کو ایک درخت دکھلائی دے گا جو اس سے بھی اچھا ہوگا، وہ کہے گا اے پروردگار! مجھ کو اس درخت کے نزدیک پہنچا دے تا کہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کے سائے میں رہوں، میں اس کے علاوہ تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں پھر کچھ نہیں مانگوں گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ شاید اگر میں تجھے اس کے نزدیک کر دوں تو تو اور بھی سوال کرے۔ وہ وعدہ کرے گا کہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ سوال نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معذور رکھے گا اس لیے کہ اس کو اس نعمت پر صبر نہیں ہوتا جو دیکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے قریب کر دے گا وہ اس کے سائے میں رہے گا اور وہاں کا پانی پئے گا۔ پھر اس کو ایک درخت دکھائی دے گا جو جنت کے دروازے پر ہوگا اور وہ پہلے کے دونوں درختوں سے بہتر ہوگا، وہ کہے گا اے میرے ربّ! مجھے اس درخت کے پاس پہنچا دے تا کہ میں اس کے سایہ تلے رہوں اور وہاں کا پانی پیوں اب میں اور کچھ سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! کیا تو وعدہ نہیں کر چکا تھا کہ اور کوئی سوال نہیں کرے گا۔ وہ کہے گا بے شک میں وعدہ کر چکا تھا لیکن اب میرا یہ سوال پورا کر دے پھر میں اور کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معذور رکھے گا اس لیے کہ وہ ایسی نعمتوں کو دیکھے گا جن پر اس سے صبر نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس کر دے گا۔ جب وہ اس درخت کے پاس جائے گا تو جنت والوں کی آوازیں سنے گا اور کہے گا اے رب میرے مجھ کو جنت کے اندر پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! تیرے سوال کو کونسی چیز تمام کرے گی؟ کیا تو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے ساری دنیا کے برابر دوں اور اتنا ہی اور دوں۔ وہ کہے گا اے ربّ میرے! تو مجھ سے ٹھٹھا کرتا

ہے سارے جہاں کا مالک ہوکر۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے اور لوگوں سے کہا تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں ہنستے ہو؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح (اس حدیث کو بیان کرکے) ہنسے تھے لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنستے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ربّ العالمین کے ہنسنے سے، اس بندے کی اس بات پر کہ ''تو مجھ سے ٹھٹھا کرتا ہے سارے جہاں کا رب ہوکر'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں ٹھٹھا (اور مذاق) نہیں کرتا بلکہ میں جو چاہتا ہوں کرسکتا ہوں۔''

باقی تمام انسانوں کا معاملہ ان مثالوں کے درمیان میں کہیں ہوگا۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جہنم بہرحال جہنم اور آگ ہے کوئی ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا تو وہ اس کی ہولناکی اور شدت کا تجربہ کرے گا ہی ——— جہنم ایسی بری جگہ ہے کہ جو آدمی عارضی طور پر (سورۃ الفرقان) جہنم میں جائے گا وہ بھی اس کی برائی سے پناہ مانگے گا۔

اللھم اجرنا من النار اللھم انا نعوذ بك من النار

(2) **شفاعت** روزِ جزا میں جیسے ہی اس طبقہ کے افراد سامنے آئیں گے اور ان کو کسی جگہ اکٹھا کیا جائے گا ——— یہ وقت قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں جس شفاعت حقّہ کا ذکر ہے اس کے ظہور کا موقع ہوگا۔ ——— یہ شفاعت کئی مراحل میں ہوگی۔

اس زمرہ کے اہل ایمان کے معاملے میں پہلا مرحلہ ہمارے نزدیک یہ ہوگا کہ ان شفاعت کے مستحق اہل ایمان کے کئی گروہ بن جائیں گے پہلا گروہ وہ اہل ایمان ہوں گے جن کی نیکیوں کی کمی یا گناہوں کی زیادتی کا معاملہ بڑا ہلکا اور فرق بہت معمولی ہوگا اور سب سے آخر میں وہ گروہ ہوگا جن کا معاملہ سنگین اور نیکیوں، بدیوں کا فرق بہت زیادہ ہوگا۔

(ا) سب سے پہلے وہ اہل ایمان ہوں گے جو نیکیوں کی کمی (اور گناہوں کی زیادتی) کی وجہ سے الگ تو کردیے جائیں گے مگر ان کا یہ معاملہ بڑا ہلکا ہوگا اور ان کا فیصلہ مؤخر کردینا اور ذرا انتظار اور عارضی طور پر دوزخ میں ڈالے جانے والے اہل ایمان کے زمرے میں شامل کردینا (قیامت کے پچاس ہزار سال کے دن میں کچھ عرصہ آج کے کئی سو سال کے برابر ہوگا) ہی ان کے لئے سزا

کافی ہوگی۔ اس دوران ان اہل ایمان کی آہ وزاری اور گریہ ہی ان کے لئے تلافی کا سبب بن جائے گا۔ غالباً یہی لوگ کسی 'ہمدردانہ' (SYMPATHETIC) فیصلے کے انتظار میں 'اعراف' پر ہوں گے اور جنت کی آرزو کر رہے ہوں گے جبکہ جہنم سے پناہ مانگ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو از خود اپنے انداز خسروانہ (جو اسی ذات حق تعالیٰ کے شایانِ شان ہوگا) کے تحت معاف فرما کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ ان اصحاب اعراف کا ذکر سورۂ اعراف میں وارد ہے۔

(ب) اس زمرہ کے اہل ایمان کو دوزخ میں ڈالا جانے والا ہوگا تو کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہوں گے جن کے معاملات (CASES) اصحاب الاعراف کے زمرے میں نہ آئے ہوں گے مگر بہت زیادہ سنگین اور پیچیدہ بھی نہیں ہوں گے اُن کے لئے جہنم کے داخلے کے وقت ہی شفاعت خصوصی کا اہتمام ہو جائے گا۔ اس شفاعت کا مرحلہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کے لئے مختص ہوگا اور ان کا بہت بڑا اعزاز ہوگا اور انہیں کے شایانِ شان ہوگا کہ اپنے بعض مخلص اُمتیوں کو دوزخ سے بچالیں جن کے خلوص میں شک نہیں مگر اعمال صالحہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ایسے لوگوں کا اس شفاعت سے پہلے اہل النار کے زمرے میں شمولیت، فیصلے کا اعلان، جہنم کے لئے لے کر روانگی، جہنم کے دروازے پر داخلے کی کارروائی کا آغاز ــــــــ یہ کوفت اور احساس محرومی اور اس موقع پر گریہ وزاری ہی ان کے لئے سزا شمار ہوگی۔ (جیسے آج بھی بعض بڑے باحیثیت مجرموں کو تنبیہاً برخواست عدالت تک سزا ہو جاتی ہے۔ ان کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے یہی سزا ان کے لئے کفایت کرتی ہے۔)

(ج) اس کے بعد باقی سب لوگ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے اور اپنے اپنے حصے کی سزا بھگتیں گے چونکہ ہر معاملہ ارب ہا ارب انسانوں کا ہوگا لہٰذا اپنی سزا بھگت کر نکلنے والوں کی ہر روز ایک لمبی فہرست ہوگی جو کسی مقام پر اہتمام سے آویزاں کی جائے گی۔

جن اہل ایمان کی سزا ایک خاص (اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا ہوگی) مدت سے کم رہ جانے والی ہوگی (جیسے دنیا میں جیلوں سے سزائیں کاٹ کر آنے والے حضرات کے رہا ہونے کی تاریخ سے بہت پہلے ان کے لواحقین ان کی رہائی کے مراحل بآسانی طے کرانے اور ان کی دلجوئی کے لئے کافی پہلے سے تگ و دو میں لگ جاتے ہیں) ان کی فہرستیں بھی الگ الگ مواقع کے اعتبار

سے آویزاں ہوگی۔

اس مرحلہ پر وہ شفاعت کا عمومی مرحلہ سامنے آئے گا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام اولیائے کرام، بزرگانِ دین، اچھے مسلمان، والدین حفاظ کرام وغیرہ شفاعت کریں گے۔

(د) ان خلاصی پانے والوں کو اہل جنت ان فہرستوں کو دیکھ کر اور اپنے آدمی پہچان کر شفاعت کر کے اپنی ضمانت پر رہا کرالیں گے۔ کسی شہید کی سفارش پر ایک سال کی سزا معاف ہو سکے گی تو حافظ قرآن کی سفارش پر نو ماہ کی۔ کسی صدیق کی سفارش پر 10 سال کی سزا معاف ہو سکے گی تو کسی صحابی کی سفارش پر دو چار سو سال کی سزا بھی قابل معافی ہو جائے گی۔

(ھ) حدیث پاک میں ہے ان رہائی پانے والوں کو جو آگ میں جلے ہوئے ہوں گے ان کو ایک خاص جگہ ان کی صحت یابی تک رکھا جائے گا اور اس کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

جس شخص کا ذکر اوپر حدیث پاک کے حوالے سے آیا ہے کہ وہ اہل ایمان میں سے آخری شخص ہوگا جو اس طرح جہنم سے خلاصی پائے گا اس کے معاملے پر غور کر کے باقی کم سزا پانے والوں کو بھی قیاس کر لینا چاہیے۔

'خلود فی النار' کی سزا صرف کافروں کے لئے ہے

آسمانی ہدایت سے اعراض، انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے روگردانی، ضمیر اور فطرت کی رہنمائی سے چشم پوشی اور مردہ ضمیری والے حضرات کے لئے قیامت کے دن دوزخ کی سزا ہوگی اور یہ سزا ــــــــ ہمیشہ ہمیش کی ہوگی کہ اس دوزخ سے اب نکلنا نہیں ہے (اہل ایمان کے تیسرے زمرے کے لوگ ان سے مختلف ہوں گے کہ انہیں ایک معین سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔)

آرزو ــــ اور ــــ دُعا

الحمدللہ آج ہم مسلمان ہیں اور کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں کلمہ شہادت پڑھتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر ایمان کے دعویدار ہیں قرآن کو تسلیم کرتے ہیں آخرت کو مانتے ہیں ایمان کی تفصیلات کو بھی قبول کرتے ہیں اس کا اقرار کرتے ہیں اور اسی کو دل سے صحیح سمجھتے ہیں۔ دِلوں کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ہم میں سے بعض قیامت کے دن پہلے درجے میں جنت میں چلے جائیں

گے۔اللہ تعالیٰ نے 'مقرّبین' کے بارے میں فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (56--14-13)

''وہ بہت زیادہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے''

اسی طرح ہزاروں خوش نصیب ہوں گے جو دوسرے مرحلہ پر ہی سہی ——— سرخرو ہوکر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل آئی ہے یہی دو گروہ وہ اصلاً کامیاب ہیں اور زیادہ خوش نصیب اہل جنت ہیں کہ دوزخ کا منہ دیکھے بغیر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

آج ہمیں اسی کی دُعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہیں دو زُمروں میں سے کسی میں شامل فرمادے آمین اور ہمیں اسی آرزو کے مطابق اپنے اعمال اور مصروفیات کو ترتیب دینا چاہیے اور زندگی گزارنی چاہیے۔ تاہم کفار کو 'خلود فی النار' کی سزا ہوگی وہ جہنم میں جائیں گے اور وہاں سے باہر آنا نصیب نہیں ہوگا وہیں بھسم ہوجائیں گے۔ کفار کے مقابلے میں بہرحال ——— تیسرے زمرے کے اہل ایمان جہنم سے نکل کر جنت میں داخلے کے وقت اپنے آپ کو بہت خوش نصیب اور قسمت کے دھنی ہی تصور کریں گے۔

ہمارے لئے بھی یہی انداز اور سوچ سب سے اچھی ہے کہ آرزو تو اعلیٰ ترین کی کرنا ضروری ہے اس کے لئے دُعائیں کرنا چاہئے مگر دل میں رہے کہ اگر تیسرے زمرے میں بھی شامل ہوکر بالآخر جنت پہنچ گئے تو یہ بھی کفار کے مقابلے میں بہت اچھا معاملہ ہوگا۔ انگریزی محاورہ ہے

HOPE FOR THE BEST AND BE PREPARED FOR THE WORST.

کرنے کا اصل کام   سچی توبہ

موت سے پہلے موقع ہے ہم اچھے اعمال کر کے جنت میں بلاحساب داخلے کے مستحق افراد میں شامل ہوسکیں تو کیوں نہ اس کی کوشش کی جائے۔ اس انتظار میں کیوں زندگی گزاری جائے کہ یہاں عیش کرو کوئی ہمیں سفارش کر کے دوزخ سے نکلوا ہی لے گا۔ یہ طرزِ فکر ایک غیر صحتمند سوچ کا عکاس ہے۔ صحیح ایمانی سوچ یہی ہوسکتی ہے کہ ابھی ہم زندہ ہیں توبہ کرتے ہیں دین پر عمل کرتے ہیں حضرت محمد ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کی زندگیوں کا اتباع کرتے ہیں اور سرتوڑ کوشش کرتے ہیں کہ پہلے یا دوسرے درجے میں جنت میں جانے والوں میں سے بن جائیں اور خود بھی جنت میں

جائیں اور بہت سے دوسروں کو اپنی سفارش سے دوزخ سے نکال کر اپنے ساتھ جنت لے جائیں۔

موت سے پہلے توبہ ہوسکتی ہے توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے اور اس اعلیٰ درجے کی کامیابی کا راستہ کھلا ہے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے فرمایا

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ (ابن ماجہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

''گناہ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی فراخدلانہ پیش کش اور شاہانہ وعدہ (OFFER) ہو کہ سب سابقہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور ہم فائدہ نہ اُٹھا سکیں یہ ہماری محرومی اور بدنصیبی ہی ہوگی۔

دنیاوی نعمتیں اور اُخروی نعمتیں

آخرت کی بعض باریک باتوں کے فہم کیلئے اس بات کو مستحضر رکھنا ضروری ہے کہ آج اس دنیا میں ہر شخص کو کئی نعمتیں میسّر ہیں مگر یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر (کم یا زیادہ) دی گئی ہیں بعض اشخاص کو ایک قسم کی نعمت سے محروم کر دیا گیا تھا مگر ایک دوسری نعمت عطا کی گئی ہے۔

ایسی ہی بعض نعمتیں آخرت میں بھی انسان کو میسر آئیں گے مگر وہاں یہ نعمتیں چونکہ اعمال کے حساب کتاب کے بعد بطور جزا و سزا یا بطور انعام میسر آئیں گی لہٰذا وہاں کی زندگی اور اس کی نعمتیں دائمی ہوں گی۔ چند مثالوں سے بات زیادہ واضح ہوگی۔

(i) چہرے کا رنگ.....انسانی رنگت ہر انسان کی زندگی میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ گورا رنگ اور کالا رنگ دو انتہائی صورتیں ہیں۔ پھر یہ احساس بھی انسان کو ہے ایک رنگ اچھا ہے باوقار شمار ہوتا ہے لوگوں میں عزت ہوتی ہے اور دوسرا رنگ بالعموم پسند نہیں کیا جاتا ہے اور کم تر شمار ہوتا ہے۔ اس دنیا میں چمڑی کی رنگت (SKIN COLOR) بطور آزمائش ایک نعمت دی گئی ہے بطور استحقاق نہیں ہے۔ یہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور مختصر ہے اصل زندگی آخرت کی ہے اور وہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ لہٰذا یہاں اچھا رویہ اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ رویّہ یہ ہے کہ گورے رنگ اور کالے رنگ کی بحث میں نہ پڑا جائے اور ہر انسان کو عزت دی جائے انسان سمجھا جائے اور برابر سمجھا جائے آخرت میں رنگت کی بنیاد پر نہیں اعمال کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔ آخرت میں بھی ہر انسان کو چہرے کا ایک رنگ عطا ہوگا سفید یا سیاہ مگر وہاں یہ فیصلہ کہ کس کو کونسا رنگ ملے گا آج کی انسانی زندگی کے

اعمال اور رویّوں کے مطابق ہوگا جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کہنے کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کو سفید رنگ عطا ہوگا اور جو لوگ من مانی کرتے ہیں، ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتے ہیں بے حیائی کے کام کرتے ہیں ظلم کرتے ہیں بے انصاف ہیں ان کو سیاہ رنگت عطا ہوگی۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (03/106-107)

''جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔ تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔ اور جن لوگوں کے منہ سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔''

(ii) **عزت اور وقار** یہاں دنیا میں بہت سے لوگوں کو عزت و وقار حاصل ہے اور بعض لوگ نسبتاً کمزور، ماتحت، محکوم اور کمتر ہیں۔ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے یہاں کا بادشاہ حقیقی بادشاہ نہیں ہے اور یہاں کا غلام حقیقی غلام نہیں ہے یہ تو آزمائش کا مرحلہ ہے اور ڈرامے کے کرداروں کی طرح ایک کردار ہے جو ہر شخص کو دے دیا گیا ہے کسی کو بادشاہ کسی کو وزیر کسی کو عورت اور کسی کو مرد بنا دیا گیا ہے جبکہ آخرت میں عزت و وقار کردار کی بنیاد پر اور اعمال کی بنیاد پر الاٹ (ALLOT) ہوگا اور انسان کو میسّر آئے گا۔ جنت میں باکردار لوگ بھیجیں جائیں گے اور انہیں عزت و وقار ملے گا (اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ (70-35) وہ لوگ جنت میں بہت باعزت ہوں گے۔ اور آج کے بدکردار ظالم، سفاک، بے حیا اور خدا ناشناس لوگ کل جہنم میں ڈال کر ذلیل کر دیے جائیں گے (عذابٌ مهينٌ)۔ وہاں بھی عزت و ذلت ہوگی مگر اعمال کے نتیجہ کے طور پر یعنی سزا و جزا کے طور پر۔

جنت کا تصوّر ___ غلمان

قیامت کے دن انسانی معاملات میں تفاوت زیادہ ہوگا اور قرآن پاک میں ذکر صرف دو جنتوں کا ہے لہٰذا ___ ایک تقسیم تو براہ راست جنت میں جانے والے انسان مقرّبین یا

اصحاب المیمنہ کی حیثیت سے جنت میں جائیں گے اور دوزخ میں سزا بھگت کر جنت میں جگہ پانے والے اہل ایمان اپنے اعمال کے درجے کے مطابق اعلیٰ جنت یعنی مقربین کے ساتھ جگہ پائیں گے یا اصحابِ الیمین کے ساتھ۔ اسی طرح کافروں کے معصوم بچے جو فوت ہو گئے یا بعض دیگر اقسام کے معاملات (CASES) کے انسانوں کو غلمان بنا کر، جنت کے اصل حق دار کے طور پر نہیں بلکہ 'خادم' کے طور پر مقربین کی جنت میں یا اصحابِ الیمین کی جنت میں جگہ دی جائے گی۔

دنیا میں شاہی محل میں تو اصلاً صرف بادشاہ ہی رہتا ہے اور اپنے اعلیٰ مرتبے کے مطابق سہولتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے مگر اسی اعلیٰ درجے کے ماحول میں اس کی بیوی بچے اور ملازمین بھی ہوتے ہیں گھر کے خادم، نوکر، دھوبی اور خاکروب بھی اسی شاہی محل کی سہولیات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

اچھا انسان وہ ہے جو پوری زندگی اعلی درجے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق حضرت محمد ﷺ کا کہنا مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں درج ذیل آیت کا مصداق بنائے

فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ (03-185)

''تو جو شخص دوزخ کی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ مراد کو پہنچ گیا''

اور اعلیٰ جنتوں میں جانے والا بنا دے آمین۔ اگرچہ شفاعت کے بعد تیسرے زُمرے میں کامیابی بھی 'خلود فی النار' کے مقابلے میں بہت بڑی کامیابی ہے۔

حاصل کلام

1۔ آج کا عزت و وقار اور گورا رنگ عارضی ہے اور اچھے اعمال کے نتیجے میں ملنے والی نعمتیں لازوال ہوں گی آج ہمیں اپنے رنگ نسب، قسمت مقدّر، مال و دولت کی کمی پر پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اچھے اعمال کی طرف توجہ کرنا چاہیے اور اگر یہ نعمتیں میسّر ہیں تو دین پر چلتے ہوئے ان کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ چاہتے ہیں۔ تا کہ مرنے کے بعد یہ نعمتیں ہم سے زائل نہ ہو جائیں۔

2۔ جہنم سے چھٹکارا پا کر جنت میں جانے والے خواتین و حضرات کو اللہ تعالیٰ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجے کی دو جنتوں میں کس طرح اور کس ترتیب سے داخل فرمائیں گے یہ بات زیادہ واضح نہیں ہے اور کوئی زیادہ علم والا ہی بہتر بتا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

جمہوریت سے آگے منزل ہے خلافت

محمدفہیم، تیمر گرہ

مغرب کا عجب معاملہ ہے جب وہاں کے لوگ اپنی آزاد مرضی کے مطابق آزادی کے نام پر فحاشی، زنا اور لواطت کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کی آزادی ہے اور جمہوری معاشرہ میں اس پر کوئی قدغن نہیں لگایا جاسکتا۔ خواہ کوئی حرامی بچے جنے یا بغیر نکاح کے ایک مرد اور ایک عورت زندگی بسر کریں اور خواہ دو مرد آپس میں میاں بیوی کی طرح جنسی تعلق استوار کریں۔ جبکہ مسلمان ملکوں میں مسلمان معاشروں کے اندر اگر خود مسلمان اپنی آزاد مرضی سے ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دینے کا عزم کریں جہاں وہ اللہ تعالیٰ کو سپریم اتھارٹی مان کر اس کی دی ہوئی آزادی کے اندر اندر ایسی زندگی گزارنے کا عزم کریں جہاں حاکمیت کل کی کل اللہ تعالیٰ کی ہو اور انسان بحیثیت خلیفہ اس کے حکم کے مطابق نیابت کرے، یہ دُنیا اور اس کی دولت اللہ کی امانت سمجھی جائے اور معاشرتی لیول پر مساوات کی بات ہو اور جہاں عورت اور مرد کا دائرہ کار متعین اور علٰیحدہ علٰیحدہ ہو تو مسلمانوں کی اس خود اختیاری کو مغرب چیلنج کر کے ان پر pre emptive حملہ کرنے کا اسی وقت فیصلہ کر لیتا ہے کیونکہ ان مغربی طاقتوں کو زمین پر خلافت کے ابھرنے سے وحشت محسوس ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کہیں زمین کے کسی بھی حصے میں اللہ کے نظام کو قائم کرنے دیا جائے تو دُنیا اس نظام کی طرف متوجہ ہو جائے گی جو فی الحال ایک ظالمانہ، استحصالی اور استبدادی نظام کے نرغے میں ہیں لہٰذا سب کچھ منظور ہے

''بس خلافت نامنظور'' یہ ہے وہ سوچ جس پر مغربی دُنیا اور مسلم دُنیا کے سیکولر دانشور اور حکمران اور بالادست طبقات متفق چلے آرہے ہیں۔ان کے مقابلے میں صحیح خطوط پر سوچنے والے سمجھتے ہیں کہ مغربی اور سیکولر جمہوریت نے دنیا کے مسائل کو اور زیادہ پیچیدہ بنادیا ہے اور ''جمہوریت سے آگے منزل ہے خلافت'' کے نعرے کو عملی کرنے کے لئے اقدامات کی ضرورت ہے۔اس خدائی نظامِ حکومت سے مغرب کا مادر پدر آزاد جمہوری نظام خطرے میں پڑ جائے گا۔اس وقت دُنیا ایک سرگردانی کی کیفیت میں مبتلا ہے اور وہ لامحالہ اس رُخ پر سفر کرتی دکھائی دے رہی ہے۔لہٰذا اس شیطانی نظام کے کارندے اس کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں میں جب ''طالبان'' کے زیر اقتدار دُنیاوی اسباب کی قلت کے باوجود امن وامان کا دور دورہ شروع ہوگیا تو مغربی سورماؤں نے انگڑائی لی کہ یہ کیا ہورہا ہے ''یہ تو شرع پیغمبر آشکارا ہورہا ہے''

ع ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں (اقبالؒ)

لہٰذا 9/11 کا ڈرامہ رچا کر اور 3 ہزار نفوس کو قربان کر کے افغانستان پر حملہ کا جواز نکالا گیا۔باطل طاقتیں قوت واحدہ بن کر اور اپنی لونڈی یو این او کا سہارا لے کر افغانستان پر ٹوٹ پڑیں۔بارہواں سال ہونے کو ہے لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا کھربوں ڈالرز کے املاک تباہ کئے گئے۔اسامہ کا بہانہ تراش کر ابھرتے ہوئے نظام خلافت پر وار کیا گیا۔خطرہ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ اگر اس نظام کو افغانستان کی سرزمین پر مہلت دی گئی تو پڑوس کے ملک پاکستان میں اس کے جراثیم پھیل جائیں گے جہاں سے مغرب کو افغانستان کی نسبت زیادہ خطرہ محسوس ہورہا تھا۔اس سلسلہ میں تین باتیں بہت بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

(1) پاکستان میں دینی تحریکیں علمی اور اجتہادی بنیادوں پر بہت کام کر چکی ہیں اور اگر وہاں پر نظام خلاف کی کرسی رکھی گئی تو مختلف شعبوں کو اسلامی قوانین کے مطابق ڈھالنا بہت ہی ممکن العمل ہوجائے گا کیونکہ یہاں پر ہر شعبہ کے متعلق بہت کچھ مواد موجود ہے۔پاکستان میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی شعبوں میں اسلامی روح کے مطابق نظام کے پورے ڈھانچے کو عملی شکل دی جاسکتی ہے۔لہٰذا یہاں پر خلافت کے ثمرات کا بہت جلد سامنے آنا بہت ہی ممکن ہے۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان دراصل دوقومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا اور یہ دوقومی نظریہ، نظریۂ اسلام ہی ہے۔ مغرب کو وہ ملک جو اسلام کی بنیاد پر بنا ہو ہر وقت آنکھ میں کھٹکتا ہے اور خصوصاً صہیونی قوتیں اس کو برداشت کرنے کی روادار کبھی نہیں ہوسکتیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مغرب پر خواہ امریکہ ہو برطانیہ ہو فرانس ہو یا یورپین یونین کے دیگر ممالک ہوں اصل قبضہ صہیونی یہودیوں اور ایوانجلیکلز پروٹسٹنٹس کی ہے۔ یاد رہے کہ ایوانجلیکلز پروٹسٹنٹس یہودیوں سے زیادہ صہیونیوں کے وفادار ہیں۔ لہٰذا افغانستان پر حملہ دراصل پاکستان میں مداخلت کے لئے ایک راہداری کھلوانے کا مترادف تھا۔ جہاں ٹھکانہ پاکر پاکستان کے خلاف اقدام کرنا مقصود تھا۔ ان بارہ سالوں کے دوران پاکستان کو خوفناک حد تک نقصان پہنچایا گیا۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مغربی شیطانی قوتوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ہم بچشم سر دیکھ رہے ہیں کہ نہتے طالبان کے ہاتھوں حملہ آوروں کا برا حال ہو رہا ہے اور اب وہ نکل بھاگنے کے لئے کبھی خفیہ اور کبھی برملا طالبان سے معاملات طے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ 1967ء کی عرب اسرائیلی جنگ میں عرب ممالک (مصر، شام اور اردن) کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کرنے کے بعد جنیوا میں ایک فنکشن منعقد ہوا تھا جس میں اس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم نے برملا کہا تھا کہ عرب دُنیا میں اب ہمارے سامنے آنے کی کوئی سکت نہیں رہی۔ ہمیں جہاں سے خطرہ ہے وہ پاکستان ہے۔ دراصل اس کا اشارہ پاکستان کی آئیڈیالوجی اور اس کی مسلح افواج کی طرف تھا کیونکہ اس وقت پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کا کوئی اشارہ موجود نہیں تھا۔

(3) اور پاکستان کے متعلق تیسری اہم بات یہ ہے کہ وہ ایٹمی طاقت کا حامل واحد اسلامی ملک ہے اور مغرب نے پروپیگنڈا کے طور پر اسے اسلامی بم کا نام دے کر ماضی میں بہت بڑا پروپیگنڈا کیا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر مغربی طاقتیں پاکستان کے نظریے، مسلح افواج اور ایٹمی صلاحیت کو ہر ممکن طریقے سے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

پاکستان کے اندر صدر ایوب سے لے کر مشرف تک سیولین حکمرانوں کے مقابل میں مارشل لائی طاقتیں سامنے لانے میں مغربی قوتوں کا ہاتھ تھا کیونکہ سیولین کے مقابلے میں کسی فوجی ڈکٹیٹر سے اپنی بات منوانا مغرب کے لئے نسبتاً آسان تھا۔ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش میں تبدیل کرنا تو

مغرب اور ہندوستان کا مشترکہ پراجکٹ تھا ہی جس پر نہایت عیاری کے ساتھ کام کیا گیا۔

اب تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کے اندر تخریب کاری اور اس پر مغربی سرحدوں سے متعدد حملوں جس میں سیولین اور عسکری دونوں اہداف شامل تھیں، میں را، موساد اور امریکی سی آئی اے کا تگڑم ملوث ہے۔ پاکستان کے اندر مختلف این جی اوز، ایڈورکرز وغیرہ کے لیبل کے تحت بہت سارے تخریب کار اور دہشت گرد داخل کئے گئے ہیں۔ کافی تباہی و بربادی کے بعد پاکستان کے حکمرانوں نے جرأت کا مظاہرہ کر کے نیٹو کے لئے سپلائی وغیرہ ہمارے دو درجن سرحدی محافظوں کی شہادت کے بعد بند کر دیا ہے جو ایک احسن فیصلہ ہے۔ خدا کرے کہ حکمرانوں کو اسے جاری رکھنے کا حوصلہ ہو۔

مغرب خصوصاً امریکی میڈیا اور اکیڈیمیا، سیاستدانوں، دانشوروں اور نام نہاد انسانی حقوق کے علمبرداروں کا پورا پورا زور اس پر ہے کہ وہ اسلامی نظام کے خلاف پورے زور شور سے پروپیگنڈا مہم کو جاری رکھیں کہ اگر تو کہیں اسلامی خلافت کا احیا ہو گیا تو وہ مغرب کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہوگا کہ اسلامی نظام میں عورتوں کے حقوق، بنیادی انسانی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق پامال ہوتے رہیں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام میں ان حقوق کو جتنا تحفظ دیا گئی ہے، وہ نام نہاد مغربی جمہوریت اور سیکولر نظام میں عشر عشیر بھی نہیں۔ یہ کونسا انسانی نظام ہے کہ مغرب اپنی بے پناہ قوت کے ساتھ افغانستان جیسے کمزور اور بے وسائل ملک پر حملہ آور ہو کر وہاں تباہی و بربادی کی تاریخ لکھوا رہا ہے۔ ان کا واحد جرم یہ تھا کہ وہ اپنے عقیدے، دین اور اقدار کے مطابق اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے تاکہ ایک منصفانہ اور عادلانہ نظام قائم ہو سکے۔ کیا افغانی انسان نہیں۔ ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں۔ کیا عراقی انسان نہیں تھے۔ ان کے انسانی حقوق نہیں ہیں۔ جن وجوہات کو بہانہ بنا کر ان مسلمان ملکوں پر حملہ کیا گیا وہ وجوہات اتنے بھونڈے، غیر حقیقی اور غیر منطقی ہیں کہ خود مغرب میں ایک بہت بڑا منصف مزاج طبقہ ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ دراصل اسلام کے خلاف مغربی طاقتوں کا وہ مخاصمانہ رویہ ہے جس نے ان کو ان ظالمانہ کاروائیوں پر اُبھارا ہے۔ مشتے از خروارے کے مصداق چند ایک اقوال یہاں ملاحظہ فرمائیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ اسلامی ممالک پر حملہ آوروں کے قبضے کا دوسرے ذیلی

مقاصد کے حصول کے ساتھ ساتھ آخری اور اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک میں کہیں حقیقی اسلام یعنی اسلامی اجتماعی نظام عدل وقسط پاؤں نہ جما سکے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ ڈیلی ٹیلگراف برطانیہ کے 15 اپریل 2005ء میں ڈنمارک کی ملکہ مارگریٹ ثانی کا قول کچھ اس طرح ہے۔ ''آج کل ہمیں اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے عالمی سطح پر بھی اور علاقائی سطح پر بھی۔ یہ ایسا چیلنج ہے جسے ہم نے سنجیدگی کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ ہم نے اس معاملہ کو بہت عرصہ سے آزاد چھوڑا ہے کیونکہ ہم بہت برداشت والے اور سست رو واقع ہوئے ہیں۔ ہمیں اسلام کے خلاف اپنی دشمنی کو ظاہر کرنا چاہیے اور ہمیں بعض اوقات یہ خطرہ مول لینا چاہیے کہ ہم پر غیر خوشامدیوں والا لیبل لگ جائے کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ضمن میں ہمیں کوئی (tolerance) رواداری نہیں دکھانی چاہیے۔'' (دی فائنل کروسیڈ عابداللہ جان صفحہ 79)

2۔ پیٹرک جے بُچانا۔ اپنی تحریر (where the right went wrong) سینٹ مارٹن پریس 2004ء میں کہتا ہے ''وہ جنگ جس میں ہم عراق اور افغانستان میں کود چکے ہیں یہ ایک سول مذہبی جنگ ہے تاکہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ (اب) اسلامی دُنیا پر کس کی حکمرانی ہوگی'' (صفحہ 57 دی فائنل کروسیڈ)

3۔ نیشنل ایسوسی ایشن آف ایوانجلیکلز کے ریورنڈ رچرڈ سینرک نے 2003 میں پریس کو بیان دیا ''ایوانجلیکلز نے سویٹ یونین کی جگہ (اب) اسلام کو رکھا ہے۔ مسلمان دور جدید کے فسادی ایمپائر کے مساوی ہو چکے ہیں'' (صفحہ 67 فائنل کروسیڈ)

4۔ برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک نے 5/اکتوبر 2005ء کو ایک بیان میں کہا ''.....تاہم خلافت کے احیاء پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ شرعی قوانین کے اجراء پر کوئی بات نہیں ہو سکتی، مرد وزن کے حقوق کی برابری کے معاملہ پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا.....(وغیرہ وغیرہ) (عابداللہ جان کی کتاب صفحہ 83)

اس سلسلہ میں سابق امریکی صدر واکر بُش کے متعدد بیانات ریکارڈ پر ہیں جن میں اس نے مسلمان ممالک کے خلاف جنگ کو ''کروسیڈز'' کا نام دیا تھا یعنی یہ کہ یہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ ہے اور یہ مذہبی جنگیں ہی ہیں۔

مغرب پر مسلط قابض مختیار مطلق گروہوں نے ایک وسیع اور مضبوط پروپیگنڈے کے ذریعے اسلامی عقائد (fundamentals) اور کسی اسلامی اجتماعی نظام کو دہشت گردی کے ساتھ نتھی کر کے عوام الناس کو اس سے نہ صرف متنفر بلکہ خوفزدہ کر رکھا ہے۔

مغربی مطلق العنان گروہوں نے نام نہاد جمہوریت کے ذریعے عوام الناس کا جس طریقے سے استحصال کیا ہے اس کی ایک مثال یہ بلامقصد جنگ ہے انہی عوام سے حاصل کردہ ٹیکسوں کی رقم سے یہ لڑائی لڑی جارہی ہے۔ان عوام کو ڈرایا جارہا ہے کہ خلافت ایک ایسی تسلط ہے جو دُنیا پر حکمرانی کے لئے مسلط کی جارہی ہے۔ان کو اصل حقیقت جاننے نہیں دیا جاتا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے اللہ کی حاکمیت کے سامنے گردن جھکائیں اور یہ ایک دینی ضرورت ہے کہ کل اجتماعیت خلافت کی صورت میں اللہ کی مرضی کے تابع ہو۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرے۔خلافت کا اصل ہدف یہ ہے کہ زمین پر ایک ایسا نظام اجتماعی قائم کیا جائے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور دُنیا سے انسان پر انسان کی خدائی ختم کر کے ایک منصفانہ نظام برپا کیا جائے۔ایسا ایک نظام مغربی کارپوریٹ دُنیا اور اس کے اُوپر مطلق العنان (Totalitarian) حکمرانوں کے لئے خواہ وہ واشنگٹن میں ہیں، برطانیہ میں ہیں یا فرانس میں، ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔لہٰذا وہ بہانے بنا کر دُنیا اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ مسلمان دُنیا کے متعدد ملکوں پر کٹھ پتلی حکمران ان ہی کے اشاروں پر چل رہے ہیں اور وہ اپنے اقتدار کے ساتھ ساتھ مغربی بے خدا طاقتوں کے اس اہم مقصد یعنی خلافت کی راہ روکنے میں بھی ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

مغربی طاقتوں کے پروپیگنڈے، ان کی خفیہ سازشیں اور اسلامی ملکوں پر قابض ان کے کارندوں نے مل کر ایک ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ مسلمان ملکوں کے مسلمان کسی بُت کے آگے سر جھکانے کو تو شرک کا نام دیتے ہیں مگر ان کو ریاستی سطح پر خدائے مطلق کے احکام سے سرتابی اور غیر اللہ کی حاکمیت اور قوانین کے اندر زندگی گزارنے کا عمل بالکل شرک معلوم نہیں ہوتا۔لہٰذا مذہبی سطح پر تو وہ مسلمان ہیں لیکن ''دینی'' سطح پر جہاں اجتماعی نظام کی بات ہے دراصل ایک غیر اسلامی زندگی گزاری جارہی ہے۔اور نام نہاد ''ماڈریٹ'' حکمران، دانشور اور سیکولر صحافی اور دوسرے سیکولر

طبقات یہی اسلام چاہتے ہیں تا کہ ان کے مفادات محفوظ ہوں اور وہ مغربی آقاؤں کے ہاں قابل قبول ہوں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر پاکستان میں سیکولر اور مذہبی فکر والے طبقات کے درمیان نزاع برپا ہے۔ لہٰذا مغرب اپنے میڈیا کے ذریعے اسی فکر کی آبیاری کر رہا ہے اور دین کے اصل علمبرداروں اور کسی بھی تحریک کو فنڈامنٹلسٹ، بنیاد پرست اور دہشت گرد کا نام دے کر بدنام کیا جا رہا ہے، یہی کل جھگڑا ہے جس نے افغانستان میں بربادی کی انتہا کر دی اور اب یہی کھیل پاکستان میں پاکستان کے اندر سیکولر عناصر کی مدد سے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ یہ مغرب کیوں افغانستان میں طالبان امارت سے خوفزدہ تھا؟ آئیں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ تمام مسلمان ایک ''امت'' کے ارکان ہے اگر ایک مسلمان کو مغرب میں تکلیف میں ہو تو مشرق کے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس تکلیف کو محسوس کر کے اسے رفع کرنے میں اپنے بھائی کی مدد کرے۔ چنانچہ چیچنیا کے معاملے میں جبکہ وہاں کے مسلمان ظلم اور بربریت کا نشانہ بنائے جا رہے تھے تمام مسلمان ریاستیں خاموش تھیں ''ٹک ٹک کردم دم نہ کشیدم''۔ جبکہ افغانستان کے کمزور نہتے اور بے وسائل امارت کے ڈپٹی منسٹر برائے امور خارجہ ملا عبدالرحمٰن زاہد نے دُنیا کے مسلم حکمرانوں کو پکارا۔ ''روس کے ان مظالم، استبداد اور جرائم پر خموشی کو توڑ دو اور چیچن مسلمانوں کے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے ان کی مدد کرو'' (امپٹیک انٹرنیشنل فروری 2000ء)

طالبان کے اقتدار میں آنے کے بعد امریکہ نے طالبان پر پابندیاں لگانے کا سوچا تھا اور ساتھ ہی بل کلنٹن انتظامیہ مالی طور پر روس کی مدد کر رہا تھا تا کہ وہ چیچنیا میں نسل کُشی کو جاری رکھ سکے۔ اس نے روس کو رات کی تاریکی میں آپریشن کرنے والے ہیلی کاپٹر بھی مہیا کئے تھے تا کہ وہ ''دہشت گردی'' پر قابو پا سکے۔

''طالبانائزیشن'' کی اصطلاح کو اتنا مشہور کیا گیا کہ وہ گالی بن گئی جبکہ طالبان کا کل گناہ یہ تھا کہ انھوں نے بلاخوف و تردید اعلان کیا تھا ''کہ قرآن ہمارا دستور ہے'' یہی وہ بات تھی جو سیکولر اقدار پر تیشہ بن کر گرنے والی تھی۔ انھوں نے اسلامی امارت کی بنیاد رکھ کر دُنیا میں بے خدا سیکولر جمہوریت کو چیلنج کرنے کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ بُش کو بار بار کہنا پڑا They hate our way of life (وہ ہمارے کلچر سے نفرت کرتے ہیں)۔

اسلام سے خوفزدہ عناصر نے طالبان کی بعض خامیوں کو بڑھا چڑھا کر اس طرح دُنیا کے سامنے پیش کیا کہ بقیہ دُنیا میں مسلمان یہ جرأت نہ کرسکیں کہ وہ متفق ہوکر بول اٹھیں کہ ہم ایک ایسی سوسائٹی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں وہ اتنا نہ کرسکے تو خلافت یا امارت یا ایک عالمی اسلامی ریاست کے لئے آواز اٹھانا تو بہت دور کی بات تھی۔

پاکستانی سیکولر عناصر نے تو حد کردی وہ دہشت گردی کے متعلق ہر وقت اپنی ناراضگی کا اظہار اپنے طریقے کے مطابق کردیتے ہیں جس کے ساتھ وہ مذہب اور ملاّ کو ملا کر بریکٹ کردیتے ہیں۔ ان کو کبھی یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ وہ اس حقیقت کے متعلق بھی زبان کھولیں کہ دہشت گردی کی اصل اور بنیادی وجہ امریکہ کا اس ریجن میں مسلح مداخلت ہے جس کے نتیجے میں دہشت گردی پیدا ہوگئی اور بڑھتی چلی گئی۔ اس دہشت گردی کو ہم تین اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) یقیناً ہر معاشرے میں انتہا پسند عناصر ہوتے ہیں اور مذہبی مزاج رکھنے والے اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا ایسے بھی لوگ ہیں جو مذہبی جذبہ کے تحت انتہائی اقدام سے بھی گریز نہیں کرتے اور دہشت گردی پر اُتر آتے ہیں۔ اس دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ ان لوگوں کی اپنی سوچ ہوتی ہے جس کے زیر اثر وہ ان اقدامات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کے جتنے واقعات ان دس بارہ سالوں میں ہوچکے ہیں ان میں اس قسم کی دہشت گردی بھی یقیناً شامل ہے۔

(۲) دوسری قسم کی دہشت گردی وہ ہے جو عمل کے ردّعمل کے طور پر ظہور پذیر ہوچکی ہے۔ جب سے ہم نے امریکہ کی ناجائز جنگ کو اپنا کر اس آگ میں چھلانگ لگائی ہے اسی دن سے ہم ایک خوفناک ردّعمل کا شکار ہوچکے ہیں۔ ایک بزدل جرنیل نے جب امریکہ کے ایک ٹیلیفون کال پر اپنے تمام سٹارز اس کے قدموں میں رکھ دیے تو نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے امریکہ کے خاطر بہت سُوں کو نشانہ بنایا۔ سینکڑوں کی پکڑ دھکڑ کر کے امریکہ کے حوالہ کیا اور امریکہ کی خواہش اور اس کے منصوبہ کے مطابق اپنی مسلح افواج کو اپنے ہی شہریوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شدید ردّعمل پیدا ہوا اور ہمارے شہری اور عسکری اہداف اس ردّعمل کا شکار بنتے چلے گئے۔ ہم نے خود اپنے محبّ وطن شہریوں اور محبّ وطن فوج کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج

کے واقع ہونے کا سامان کر دیا۔ یہاں تک کہ حالات قابو سے باہر ہوتے چلے گئے۔ جن کے ماں باپ بچے عزیز واقارب نشانہ بن گئے تو قدرتی طور پر ان کے بے بس پس ماندگان میں سے ایسے ضرور نکلے جنہوں نے انتقامی جذبہ کے تحت دہشت گردی اختیار کی۔ ہماری یہ پالیسی ڈکٹیٹر کے بعد بھی جاری رہی اور ڈرون حملوں نے تو غضب کر دیا جس کے متعلق اب کوئی شک نہیں رہا کہ اس میں ہمارے حکمرانوں کی مرضی شامل ہے۔

(۳) تیسری قسم کی دہشت گردی وہ ہے جو بیرونی طاقتوں کے منصوبہ بندی کے مطابق بڑے پیمانے پر جاری رہی ہے اور یہ دہشت گردی سب سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کو اس کی نظریاتی اور ایٹمی وجوہات پر ہدف بنایا گیا ہے۔ لہٰذا بیرونی طاقتیں خصوصاً امریکہ اسرائیل اور بھارت نے مل کر دہشت گردی کی جو انڈر کورنٹ ورک قائم کیے وہ بہت منظّم بھی ہے اور ان کی دہشت گردی نہایت تباہ کن بھی ثابت ہوئی۔ دہشت گردی کے ہر واقعہ کے بعد مغربی اور مقامی فروخت شدہ میڈیا کے ذریعے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کرایا گیا کہ ''اسلامی شدت پسندوں نے یہ کام کیا اور طالبان نے ذمہ داری قبول کی'' کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی کہ اس تباہ کن دہشت گردی میں را، موساد اور امریکن سی آئی اے کا کتنا ہاتھ ہے؟ پختونوں کے خودساختہ لیڈروں نے جن کی اکثریت سیکولر ہیں نے کبھی بھی یہ جرأت نہیں کی کہ یہ اعلان کرتے کہ ساری تباہی اس ریجن میں امریکی اور مغربی طاقتوں کی مداخلت کا نتیجہ ہے۔ ان نام نہاد پختونوں نے ہر برائی کو اسلام اور مُلا کے ساتھ نتھی کر دیا۔ جب 3 عشرے پہلے سویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تھا تو انھوں نے اسے خوش آمدید کہا تھا اور جب اس صدی کے شروع میں امریکہ بمع یورپ افغانستان پر حملہ آور ہو گیا تو انھوں نے اُسے بھی خوش آمدید کہا۔ وہ امریکہ ہی کی زبان میں بات کر رہے ہیں۔ کیا یہ دعویدار یہ نہیں دیکھتے کہ دونوں طرف پختون ہی مر رہے ہیں۔ یہ پختون فروش لیڈر!

ہماری بزدلی نے امریکہ کو اتنا شیر بنا دیا کہ ہمیں ہر طرف سے تباہ کرنے کے بعد اس نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ ہماری فوجی چوکیوں پر حملہ کر کے ہمیں آخری حد تک للکارا۔ ایبٹ آباد واقعہ اور کراچی میں مہران پر حملہ تو ہمیں نہ جگا سکے بلکہ اس سے ان عناصر کو جو پہلے ہی سے

ہماری مسلح افواج کے خلاف مغربی طاقتوں کی ایما پر پروپیگنڈا میں مصروف ہیں، مزید شہ ملا اور انھوں نے اپنے زہریلی پروپیگنڈے کو اور تیز کر دیا۔ اب جبکہ 26 نومبر 2011ء کا واقعہ ہوا تو ہماری حکومت نے شدید عوامی دباؤ کے تحت کچھ جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کب تک اس موقف پر استقلال دکھا سکتی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہماری سیاسی قیادت کھل کر بات کرے اور امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے یہاں سے نکلنے کے لیے کہے۔ امریکہ خود اس جنگ سے تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے اس کی معاشی صورت حال نہایت نازک ہے۔ اسے افغانستان سے جو روزانہ لاشوں کے صندوق مل رہے ہیں اس سے ان کی پریشانی آخری نشانات کو چھو رہی ہے وہ اب مجبور ہے کہ وہاں سے نکل جائے۔ لہٰذا وہ طالبان کے ساتھ ہر ممکن طریقہ سے معاملات طے کرنا چاہتا ہے۔ پاکستانی لیڈر شپ کا اس سلسلے میں بہت اہم رول ہے اور ساتھ ہی اس کا امتحان بھی ہے۔ اب یہ ان پر ہے کہ وہ تاریخ میں اپنے لئے کیا مقام بنانا چاہتے ہیں ایک غلام کی حیثیت سے یا ایک آزاد قوم کی حیثیت سے۔

یہ جو ڈراؤنا خواب ہے کہ امریکی امداد کے بغیر ہم بھوکوں مر جائیں گے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں اپنے مالک حقیقی پر بھروسا نہیں ہم توکل علی اللہ کے ایمانی جذبہ پر کاربند نہیں یہ تو ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ایک طرف ہم قرض اور بھیک مانگنے سے نہیں رُکتے اور دوسری طرف ہماری عیاشیوں کی کوئی حد نہیں۔ جیسا کہ خود وزیر خزانہ نے کہا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ حکومت غیر ضروری اخراجات کو کم سے کم رکھیں۔ اگر وزیر اعظم اور صدر کے یومیہ خرچ (ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم) 40 لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ ہے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہیں۔ نیز یہ وزراء کی فوج ظفر موج اور ممبران پارلیمنٹ کو کروڑوں کی شکل میں جو مراعات دی جا رہی ہیں ان کو مناسب سطح پر لا کر بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اگر حکمران خود ٹیکس نہیں دیتے کرپشن میں لگے رہتے ہیں اور کرپٹوں کو قانون کے پنجہ سے آزاد کرانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں تو ایسے میں حالات کیسے درست ہو سکتے ہیں؟ مغرب کے لئے اصل ہدف پاکستان نہیں ''اسلامی پاکستان ہے'' یا اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اصل ہدف نظریہ، فوج اور ایٹم بم ہے۔

مختصراً یہ کہ ہمیں بحیثیت ایک مسلمان قوم اپنے اصل مالک اور آقا کو راضی کرنے کی

ضرورت ہے خواہ امریکہ خفا ہو یا ملک کے سیکولر عناصر۔ ہم نے یہ ملک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد پر حاصل کیا تھا کہ اے اللہ! ہمیں ایک ٹکڑا زمین دے جہاں ہم تیرے قرآن اور تیرے رسولؐ کے فرامین کے مطابق ایک منصفانہ عادلانہ خدائی نظام قائم کر کے خود بھی تیرے حکم کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اجتماعیت کے اس نظام کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس ملک کو ایک ماڈل بنا دیں گے اور یہی خلافت کی مطلوبہ شکل ہوگی جس کی بنیادیں اُن اصولوں پر رکھی جا ئیں گی جن پر خلافت راشدہ قائم ہو چکی تھی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شُد۔ اب یہ آخری موقع ہے ہمیں سنبھلنا ہے اور اپنا عہد پورا کر کے دکھانا ہے، اگر ہم اب بھی اس میں ناکام ہو جاتے ہیں اور اللہ سے بغاوت پر مبنی اجتماعیت میں آرام سے پاؤں پھیلا کر رہنا چاہتے ہیں تو کوئی طاقت ہمیں اغیار کا غلام بننے سے نہیں روک سکتی اور ہمارا حشر وہ ہوگا جو قرآن میں مذکور نافرمان قوموں کا ہو چکا ہے ہمیں کوئی سیکولر جمہوریت غلامی کی اس طوق سے نجات نہیں دلا سکتی۔ یہ سیکولر جمہویت دراصل سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حربہ ہے جس کے ذریعے عوام الناس کو بھیڑ بکری بنا کر ان پر حکمرانی کی جارہی ہے۔ ہمارے دُنیاوی مسائل کا حل اور ہماری اُخروی نجات دونوں کا تعلق صرف اسی بات کے ساتھ ہے کہ ہم اس ملک میں اللہ کی حکمرانی یعنی خلافت کو قائم کر لیں۔ ورنہ

ع ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

دعا

کریما بخشائے برحالِ ما — کہ ہستم اسیرِ کمند ہوا
نداریم غیر از تو فریادرس — توئی عاصیاں را خطا بخش و بس
نگہدار ما را ز راہِ خطا — خطا در گزار و صوابم نما

شیخ سعدی

ندائے خلافت لاہور کا ایک مضمون جو دس سال بعد بھی اتنا ہی اہم ہے

پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں یہود کا کردار
اور جرمن قوم کی یہودیوں سے نفرت کا پس منظر؟

امریکہ ہوشیار باش!!

ایک منحرف یہودی امریکہ کو خبردار کرتا ہے

بنجمن فریڈمن کی ایک انگریزی تقریر کا خلاصہ

(ترجمہ و تلخیص: محمد یونس جنجوعہ)

(ماخوذ از ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور۔ یکم نومبر 2001ء)

تعارفی نوٹ: بنجمن ایچ فریڈمن بیسویں صدی کا انتہائی چالاک اور مکار فرد تھا۔ وہ 1890ء میں پیدا ہوا۔ وہ نیو یارک شہر کا کامیاب یہودی تاجر تھا۔ وہ وڈ بری سوپ کمپنی کا مالک تھا۔ اس نے 1945ء میں منظّم یہودی گروپ سے علیحدگی اختیار کر لی اور باقی ماندہ زندگی یہودیوں کے ظلم و ستم اور بے انصافیوں کا پردہ چاک کرنے میں گزار دی۔ یہ وہ مظالم اور سازشیں تھیں جنہوں نے امریکہ کا گھیراؤ کیا ہوا تھا۔

فریڈمن ایک اہم شخص تھا کیونکہ وہ بلند پایہ یہودی تنظیموں میں رہ چکا تھا اور یہودیوں کی ان تمام خفیہ سازشوں سے واقف تھا جن کے ذریعے وہ اثر و رسوخ حاصل کرتے تھے۔ اپنے وقت کی معروف سیاسی اور سماجی شخصیات تک اس کی رسائی تھی۔ وڈرو ولسن، فرینکلن روزلٹ، جوزف کینیڈی، برنارڈ بروچ اور جان ایف کینیڈی وغیرہ کے ساتھ اس کے ذاتی مراسم تھے۔

بنجمن فریڈمن نے 1961ء میں واشنگٹن ڈی سی کے ویلارڈ ہوٹل میں ایک تقریر کی۔ اگرچہ یہ آج سے چالیس سال پہلے کہی ہوئی باتیں ہیں تاہم آج کے حالات کے پس منظر کو سمجھنے، اصل حقائق کو جاننے اور تاریخ سے سبق سیکھنے کے اس میں ضروری شواہد موجود ہیں۔ ذیل میں اس کی انگریزی زبان میں کی گئی تقریر کا خلاصہ پیش ہے۔

امریکہ میں یہودیوں اور یہودی نواز افراد کا ہماری گورنمنٹ پر مکمل کنٹرول ہے۔اس کی بہت سی وجوہات ہیں جو اس وقت بیان نہیں کی جاسکتیں۔ یہودی اور ان کے ہم مذہب امریکہ پر اس طرح حکمرانی کر رہے ہیں گویا وہ خود مختار شہنشاہ ہوں۔اگر یہ بات آپ کو مبالغہ معلوم ہو تو آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ جب ہم امریکی سور ہے تھے تو اس وقت کیا ہوتا رہا ہے۔

1914ء کے موسم گرما میں جنگ عظیم اول چھڑ گئی۔ میری عمر کے چند لوگوں کو ابھی یاد ہوگا۔اس جنگ میں ایک طرف برطانیہ، فرانس اور روس تھے جبکہ دوسری طرف جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور ترکی تھے۔ دو سالوں کی جنگ میں جرمنی جیت گیا۔ برطانیہ کو بری طرح شکست ہوئی۔ اس کی حالت یہ ہوگئی کہ اس کے پاس نہ تو کوئی اسلحہ رہا اور نہ خوراک۔آگے قحط اور بھوک نظر آرہی تھی۔اس وقت فرانسیسی فوج باغی ہوگئی کیونکہ ان کے چھ لاکھ جوان سوم پر ورڈن کے دفاع میں کام آچکے تھے۔روسی فوج بھی بددل ہوگئی۔وہ مزید جنگ نہیں چاہتے تھے۔

ادھر جرمنی کی سرزمین پر ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔دشمن کا ایک سپاہی بھی جرمنی کے اندر داخل نہ ہوسکا۔اس قدر فوقیت حاصل ہونے کے باوجود جرمنی نے برطانیہ کو امن مذاکرات کی دعوت دی اور کہا کہ جنگ ختم ہے اور ہر چیز کو ویسے ہی رکھا جائے جیسے جنگ شروع ہونے کے وقت تھی۔ برطانیہ اس پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کیونکہ اس کے پاس کوئی متبادل راستہ نہ تھا۔

جب یہ معاملہ ہو رہا تھا تو جرمنی کے یہودی جو کہ مشرقی یورپ کے یہودیوں کی نمائندگی کر رہے تھے، برطانیہ کی جنگی کابینہ کے پاس گئے اور کہا ''تم اب بھی جنگ جیت سکتے ہو۔تم جرمنی کی امن مذاکرات کی پیشکش قبول نہ کرو۔اگر اس وقت امریکہ تمہاری حمایت میں میدان میں اتر آئے تو تم یہ جنگ جیت سکتے ہو''۔(اس وقت امریکہ جنگ سے باہر تھا۔ہم امریکی تازہ، جوان اور خوشحال اور مضبوط تھے) انہوں نے یہ بھی کہا ''ہم گارنٹی دیتے ہیں کہ ہم امریکہ کو تمہاری حمایت میں جنگ کرنے پر بہر حال آمادہ کرلیں گے۔ ہماری صرف ایک شرط ہے کہ تم جنگ جیتنے کے بعد فلسطین ہمیں دے دو''۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے یہ سودا کیا کہ امریکہ کو برطانیہ کی حمایت میں جرمنی کے خلاف لڑائی کی قیمت فلسطین ہوگی جو برطانیہ کو جنگ جیت کر اور جرمنی کو شکست دے کر ادا کرنا ہوگی۔اگرچہ برطانیہ کو اس قسم کے معاہدے کا کوئی حق نہ تھا تاہم اس نے

اکتوبر 1916ء میں انتہائی نامعقول وعدہ کرلیا۔ چنانچہ تھوڑے وقت کے بعد امریکہ جو کہ مکمل طور پر جرمنی کا ہم خیال تھا، برطانیہ کی حمایت میں میدان جنگ میں کود پڑا۔

میں نے امریکہ کو مکمل طور پر جرمنی کا ہم خیال کہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں امریکہ میں اخبارات پر یہودیوں کا کنٹرول تھا۔ بینکار یہودی تھے۔ ذرائع ابلاغ تمام کے تمام یہودیوں کے قبضہ میں تھے اور یہودی جرمن نواز تھے کیونکہ ان میں سے اکثر جرمنی سے آئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ جرمنی روس کو ناک چنے چبوا دے۔ ان بڑے یہودی بینکاروں اور بینکنگ فرموں نے جو امریکہ میں تھے، فرانس اور برطانیہ کو ایک ڈالر کی ادائیگی بھی روک دی۔ انہوں نے واضح طور پر کہہ دیا کہ جب تک فرانس اور برطانیہ روس کے ساتھ ہیں، ان کو پیسہ نہیں ملے گا۔ اس طرح وہ سارا سرمایہ جرمنی لے آئے۔

اب جب انہی یہودیوں نے فلسطین ملنے کا امکان دیکھا تو برطانیہ جا کر سودا طے کرلیا۔ اسی وقت ہر شے بدل گئی جیسا کہ ٹریفک کی سرخ بتی سبز ہو جاتی ہے۔ جہاں سب اخبار جرمنی کے ہم خیال تھے اور وہ لوگوں کو برطانیہ کے خلاف لڑائی میں جرمنی کی مالی مشکلات بتا رہے تھے، اچانک کہنے لگے کہ جرمن اچھے نہیں، وہ بدمعاش ہیں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد صدر امریکہ ولسن نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ لندن میں بیٹھے یہودیوں نے امریکہ کو برطانیہ کی حمایت میں میدان جنگ میں اتار دیا۔ اس طرح امریکہ جنگ عظیم اول میں شامل ہو گیا ورنہ اس جنگ کے ساتھ امریکہ کا کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ بات امریکیوں کو کبھی نہیں بتائی گئی کہ امریکہ اسی لئے اس جنگ میں شامل ہوا تھا تا کہ یہودیوں کو فلسطین مل جائے۔

جب امریکہ جنگ میں شامل ہو گیا تو یہودیوں نے برطانیہ سے فلسطین کی بابت ایک تحریر بھی حاصل کر لی جو کہ پراسرار الفاظ پر مشتمل تھی تا کہ دنیا کو اصل حقیقت معلوم نہ ہو۔ اس معاہدے کی اسی تحریر کو BALFOUR DECLARATION کہتے ہیں۔ یہ محض کاغذ کا ایک پرزہ تھا۔

امریکہ نے جنگ میں شامل ہو کر جرمنی کو شکست دی۔ 1919ء میں جنگ کے خاتمے پر جرمن کانفرنس میں شرکت کے لئے پیرس پہنچے۔ وہاں برنارڈ بروچ کی سربراہی میں 117 یہودیوں کا وفد موجود تھا۔ میں خود وہاں موجود تھا۔ جب کانفرنس میں جرمنی کے حصے بخرے ہونے

لگے تو یہ یہودی بول اٹھے ''ہمارے فلسطین کے بارے میں بتایئے'' اور انہوں نے وہاں وہ بال فورڈ ڈیکلریشن بھی پیش کر دیا۔ یہ موقعہ تھا جب جرمنوں کو پہلی مرتبہ علم ہوا کہ امریکہ کیوں جنگ میں کود پڑا۔ اب جرمنوں کو احساس ہوا کہ انہیں واقعی شکست ہوئی ہے۔ انہیں بھاری تاوان جنگ ادا کرنا تھا محض اس لئے کہ یہودی ہر قیمت پر فلسطین حاصل کرنا چاہتے تھے۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب جرمن یہویوں کی فطرت سے واقف ہوئے۔ اس وقت تک یہودی جتنے خوشحال جرمنی میں تھے، دنیا کے کسی اور ملک میں نہ تھے۔ صنعتی اور معاشی میدان میں یہودی یہاں بے انتہا اہمیت اور شہرت کے حامل تھے مگر اب جرمن یہودیوں کی سازشی ذہن سے واقف ہو گئے۔ ہوا یوں کہ 1905ء میں یہودیوں کو اشتراکی انقلاب کے بعد روس سے نکلنا پڑا اور جرمنی نے انہیں پناہ دی جہاں اُن کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا گیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے جرمنی کو بلاوجہ فلسطین حاصل کر کے یہودی دولت مشترکہ بنانے کی خاطر تباہی کی طرف دھکیل دیا۔ اس صوت حال کی خوب تشہیر ہوئی اور جرمنوں کا غم وغصہ یہودیوں کے خلاف بڑھتا گیا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی تباہی اور شکست کے ذمہ دار صرف اور صرف یہودی ہیں۔ لیکن وہ کیا کر سکتے تھے۔ وہ کسی ایک یہودی کے سر کا بال بھی بیکا نہ کر سکے، کیونکہ وہ اس پوزیشن میں نہ تھے۔ اس وقت جرمنی کی آبادی 80/90 ملین کے قریب تھی جبکہ یہودی صرف 460,000 تھے۔ اس کے باوجود وہ پریس کو کنٹرول کر رہے تھے۔ معاشی معاملات ان کے قبضے میں تھے۔ یہودی اس حقیقت کو چھپانا چاہتے تھے کہ انہوں نے جرمنی کو فروخت کر دیا ہے اور جرمن ان سے نفرت کرتے ہیں۔ بہرحال جرمنوں نے یہودیوں کے خلاف ممکنہ کارروایاں شروع کر دیں۔

کچھ عرصے بعد یہودیوں نے ایمسٹرڈیم میں ایک اجلاس بلایا۔ جولائی 1933ء میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں تمام دنیا سے یہودیوں نے شرکت کی۔ انہوں نے جرمنی سے کہا ''ہٹلر کو قتل کر دو اور ہر یہودی کو اس کی سابقہ حیثیت پر بحال کرو، خواہ وہ کمیونسٹ ہو یا کچھ اور۔ تم ہمارے ساتھ یہ سلوک نہ کرو۔ ہم دنیا بھر کے یہودی تمہیں الٹی میٹم دیتے ہیں''۔ جب جرمنی نے ان کی اس دھمکی پر پسپائی سے انکار کیا تو یہودیوں کے امریکی وفد کا سربراہ سیموئل انٹرمائر جو کہ کانفرنس کا صدر بھی تھا، سیدھا امریکہ آیا اور پھر کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم پہنچ گیا۔ جہاں سے اس نے پورے

امریکہ میں یہ پیغام نشر کر دیا ''دنیا بھر کے یہودی جرمنی کے خلاف مقدس جنگ کا آغاز کر رہے ہیں۔ہم انہیں نیچا دکھا کر چھوڑیں گے یہاں تک کہ وہ فاقوں مرنے لگیں۔ہم ان کے خلاف عالمی بائیکاٹ کر رہے ہیں جس سے وہ تباہ ہو جائیں گے کیونکہ وہ اپنی برآمدات پر انحصار کرتے ہیں (اور حقیقت بھی یہی تھی)۔ ہماری طرف سے یہ معاشی بائیکاٹ اپنے دفاع کے لئے ہے۔صدر روزولٹ نے نیشنل ریکوری ایڈمنسٹریشن میں اس کے فائدے کو تسلیم کیا ہے''۔ یہ اعلان 7/اگست 1933ء کے نیویارک ٹائمز میں شائع ہوا۔چنانچہ یہ بائیکاٹ اتنا موثر ہوا کہ دنیا کے کسی سٹور میں ایسی کوئی چیز دستیاب نہ تھی۔جس پر MADE IN GERMANY لکھا ہو۔وولن ورتھ کمپنی کے ایک ذمہ دار نے مجھے بتایا کہ کئی ملین ڈالر کی جرمن ساختہ کراکری دریا میں بہادی گئی کیونکہ ان کے سٹور کا بائیکاٹ کر دیا گیا تھا اور اگر کوئی جرمن ساختہ پلیٹ دیکھ لیتا تو اظہار نفرت کرتے ہوئے کہتا ''ہٹلر'' ''قاتل''۔اس سب کچھ کے باوجود جرمنی میں کسی ایک یہودی کے سر کا بال بیکا نہ ہوا۔اس وقت یہودیوں کا جرمنی کے ساتھ تصادم لازم ہو گیا تھا تا کہ دیکھا جائے کہ بقا کس کے مقدر میں ہے۔اس وقت میں جرمنی میں تھا۔جرمنی میں محسوس کیا گیا کہ یورپ یا تو عیسائی ہو رہا تھا یا کمیونسٹ۔جرمنی نے چاہا کہ اگر ممکن ہو تو یورپ عیسائی رہے۔1933ء میں امریکہ نے روس کو تسلیم کر لیا۔اس وقت روس بہت طاقت حاصل کر رہا تھا اور جرمنی نے محسوس کر لیا کہ ہماری باری بھی آ رہی ہے اگر ہم مضبوط نہ ہوئے۔اسی طرح کے الفاظ آج ہم کہہ رہے ہیں۔ ہماری گورنمنٹ 83 تا 84 بلین ڈالر دفاع پر خرچ کر رہی ہے۔ان چالیس ہزار یہودیوں کے خلاف دفاع جو ماسکو میں ہیں اور جنہوں نے روس پر قبضہ کر رکھا ہے اور پھر اپنی سازشوں سے دنیا کے بہت سے دوسرے ممالک پر بھی اپنا تسلط جما رکھا ہے۔

اب تیسری عالمی جنگ قریب ہے۔جبکہ امریکہ کے پاس 200 میگاٹن کی گنجائش کے ایٹم بم موجود ہیں اور پتہ نہیں روس کے پاس کس قدر ہیں۔اگر ہم عالمی جنگ کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں تو یہ ایٹمی جنگ ہو گی جس میں انسانیت ختم ہو جائے گی۔یہ ڈرامے کا تیسرا سین ہو گا۔ دنیا بھر کے یہودی اور ان کے ہم مذہب جہاں کہیں بھی ہوں وہ اب پھر امریکہ کو استعمال کرنے پر تلے ہوئے ہیں تا کہ وہ فلسطین کو مستقل بنیاد بنا کر اپنی عالمی حکومت کی تمنا پوری کر سکیں۔اس بات کو اگر امریکہ میں کوئی نہیں جانتا تو نہ جانے لیکن صدر ولسن، کرنل ہاؤس اور دوسرے اندرونی حالات

جاننے والے تو اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔

یہودیوں کے بارے حقائق کیا ہیں؟ (میں انہیں تمہاری خاطر یہودی کہہ رہا ہوں کیونکہ وہ اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ میں انہیں یہودی نہیں مانتا بلکہ نام نہاد یہودی کہتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں وہ کیا ہیں) مشرقی یورپ کے یہودی جو پوری دنیا کے یہودی کہلانے والوں کا 92 فیصد ہیں اصل میں خازار (KHAZARS) ہیں۔ یہ جنگجو قبیلہ کے لوگ ہیں جو وسط ایشیا میں رہتے تھے۔ وہ اس قدر بدامن تھے کہ ایشیائیوں نے انہیں وسطی یورپ کی طرف نکال دیا۔ انہیں نے 8 لاکھ مربع میل پر مشتمل خازار کی سلطنت قائم کر لی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب روس کا وجود بھی نہ تھا۔ خازار کی سلطنت یورپ میں سب سے بڑی مملکت تھی۔ ان کے پاس ہر وقت لاکھوں جنگجوؤں کے لشکر تیار رہتے تھے۔ یہ لوگ انسانی آلہ تناسل کی پوجا کرتے تھے جو کہ انتہائی گندی بات ہے۔ لیکن یہ تو ان کا مذہب تھا۔ جیسا کہ دنیا میں دوسرے مشرکین اور غیر مہذب لوگوں کے مذہب تھے۔ خازار بادشاہ اپنی سلطنت کی ذلت سے اس قدر بیزار ہوا کہ اس نے بڑے بھونڈے طریقے سے یہودیت کو چن لیا اور یہی اس کا ریاستی مذہب بن گیا۔ اس نے اس مذہب کی سرپرستی کی اور اس کے عوام یہودی کہلائے۔ اب خیال کیجیے کہ دنیا کے عیسائی ممالک کیلئے یہ کہنا کتنی حماقت کی بات ہے کہ ہماری قوت اور عزت کو خدا کے منتخب لوگوں کی ان کے آبائی وطن کی طرف بحالی میں استعمال ہونی چاہیے کیونکہ یہ ان کی ارض موعود ہے۔ لیکن یہ ہو اس لئے رہا ہے کہ اخبارات، جرائد، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان کا قبضہ ہے۔ اگر لوگ اس جھوٹ پر یقین کر لیں تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ تم سفید کو کالا یقین کر لو گے اگر متعدد بار سنو اور سنتے ہی رہو۔

یہودیوں کے ہاں جھوٹ کوئی بڑی بات نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہودی ''کفارے کے دن'' کیا کرتے ہیں؟ یہ دن ان کے نزدیک مقدس ہوتا ہے۔ میں کوئی سنی سنائی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں ان ہی کا ایک فرد رہا ہوں۔ اس دن وہ اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور تین مرتبہ عبادت کے یہ الفاظ دہراتے ہوئے خدا سے معاہدہ کرتے ہیں ''جو قسمیں، وعدے، عہد، معاہدے میں اگلے بارہ ماہ کے دوران کروں گا ان کو کالعدم سمجھا جائے۔ ان کی کوئی حیثیت اور تاثیر نہ مانی جائے''۔ اور تالمود کی

تعلیم یہ ہے کہ جب تم کسی سے عہد کرو تو کفارے کے دن کی دعا کو ذہن میں رکھو، اس طرح تم عہد کی پابندی سے مستثنیٰ ہو جاؤ گے۔ اب بتایئے اس صورت حال میں تم ان کی وفاداری پر کتنا بھروسہ کر سکتے ہو۔ تم ان کی وفاداری پر اتنا ہی اعتماد کر سکتے ہو جتنا جرمنوں نے 1916ء میں ان پر کیا۔ ہم بھی وہی مصیبت اٹھانے جا رہے ہیں جو جرمنی نے جھیلی تھی اور سبب بھی وہی ہے۔

عذاب یافتہ قومیں، فرعونوں کے اہرام اور قرآن مجید

انجینئر مختار فاروقی

قرآن مجید آسمانی کتاب ہے ایک سچی، حتمی اور 'کتاب عزیز' یعنی ایک نادر کتاب ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ نظری طور پر تورات، زبور اور انجیل بھی آسمانی کتابیں تھیں مگر صدیوں کے تاریخی سفر میں ان کتابوں کے ماننے والے اپنی کتابوں کو محفوظ نہیں رکھ سکے کہ وہ اب انسانوں کے مطالعہ کے لیے موجود ہوں۔ یہود و نصاریٰ خود اس بات کے قائل اور شاہد ہیں کہ ان کی کتابیں اب صفحہ ہستی پر عام انسانی دسترس میں نہیں ہیں۔ (یہ الگ بات ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ ہی نے اپنے پاس کہیں چھپالی ہوں) نتیجے کے طور پر آج جو بائبل ملتی ہے اس میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی تقسیم ہے، عہد نامہ قدیم میں تورات اور زبور شامل ہے اور عہد نامہ جدید میں انجیل کے چار علیحدہ علیحدہ نسخے طبع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں اس میں ڈال دی گئی ہیں اور اس کا نام ہے بائبل (آسمانی کتاب تورات، زبور اور انجیل کا مجموعہ)۔ ان کتابوں کے تراجم دنیا بھر کی قابل لحاظ تمام زبانوں میں ملتے ہیں تاہم ان کتابوں کا اصل متن جس کا یہ ترجمہ ہیں، وہ دنیا سے مفقود ہے۔

اس پس منظر میں قرآن مجید دنیا کی واحد موجود (READILY AVAILABLE) آسمانی کتاب ہے جو متن کے ساتھ دنیا میں موجود ہے اور اس کتاب کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے، تراجم میں اختلاف تو فطری امر ہے مگر متن کا محفوظ اور غیر اختلافی ہونا

یقیناً اس کتاب کی اہمیت کو ہر انسان کے لیے بہت بڑھا دیتا ہے۔ سابقہ کتابوں کے متن اگر موجود ہوتے تو بھی قرآن مجید چونکہ ان سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان لائی ہوئی شریعتوں اور تعلیمات کا مھیمن ہے لہٰذا عمل تو قرآن مجید ہی پر ہونا ہے تاہم سابقہ اصل متون ایک کلاسیکل لٹریچر کے طور پر ریسرچ سکالرز (RESEARCH SCHOLARS) کے لیے ممد و معاون بنتے اور انسانیت کو قرآن مجید تک نظریاتی اور ذہنی رسائی میں آسانی ہو جاتی۔ آج بائبل کے جو نسخے ملتے ہیں اگرچہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں مگر ان میں کردار انبیاء کرام علیہم السلام کا جو پیش کیا گیا ہے وہ کردار ایک عام انسان کے کردار سے بھی بہت گھٹیا ہے کجا یہ کہ وہ کسی نبی کی سیرت کا عکس ہو۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

تخلیق انسانی

قرآن مجید میں تخلیق انسانی کا تذکرہ ہے اور مقصد تخلیق انسانی کا بھی۔ قصہ آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس کا بھی تذکرہ ہے۔ پھر حضرت انسان کے لیے ایک طرف تجرباتی علوم اور دوسری طرف علوم وحی یا علوم انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر ہے۔

تجرباتی علوم کے ذریعے انسان نے دیگر شعبوں میں ترقی کے ساتھ ساتھ تاریخ کو بھی اپنے دامن سمیٹ کر محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کوشش بہت حد تک کامیاب کوشش ہے۔ قرآن مجید چونکہ الہامی کتاب (REVEALED BOOK) ہے لہٰذا خالق ارض وسماء نے بھی اس کتاب میں اہم تاریخی حقائق و معارف بیان کیے ہیں۔ علوم وحی کی اہمیت اور حتمیّت تو اس کتاب کا موضوع ہے ہی اسی لیے قرآن مجید نے تاریخ کے باب میں اصولی طور پر عروج و زوال کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔

تاریخ انسانی

تاریخ انسانی.....ایک وسیع علم ہے اور اس علم کے لیے کام کرنے والے صاحب ہمت و عزیمت لوگوں نے اس کو محفوظ بھی کرنے کی اپنے تئیں کوشش کی ہے تاہم اس علم میں بادشاہوں راجوں مہاراجوں کی پسند و ناپسند کا بڑا دخل رہا ہے۔ ہر آنے والا صاحب اقتدار چونکہ

لڑ بھڑ کر اور میدان جنگ میں جیت کر اپنی سلطنت بناتا تھا لہٰذا سابقہ اہل اقتدار جن سے اقتدار چھینا گیا تھا ان کی تاریخ کو عام طور پر انسانی ہاتھوں نے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہاں آ کر انسان کو قرآن مجید کی تاریخ نگاری اور قانون عروج وزوال کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ ایک غیر جانبدار آنکھ اس تاریخ کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔

قرآن مجید' کلام اللہ' ہے۔ لہٰذا اس کلام میں ایک ایسی ہستی کی طرف سے تاریخ انسانی بیان ہوتی ہے جو خالق ارض وسماء ہے انسانیت کا خالق ہے رب بھی ہے انسان سے محبت کرنے والا بھی ہے اس نے انسانیت کے جسمانی رزق کا بھی بندوبست کیا ہے تو روحانی اور نظریاتی تغذیہ کا اہتمام بھی کیا ہے۔ انسانیت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی شکل میں انسانوں کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے تحریری ہدایت اور رہنمائی دی ہے اور رسولوں علیہم السلام کے ہاتھوں جدوجہد کے ذریعے حق کو واضح کیا ہے اور اس کو بول بالا بھی کیا ہے اور باطل کو سرنگوں کر دکھایا ہے اور بے بنیاد بھی ظاہر کیا ہے۔ باطل کی سرپرست قوتوں اور شیطان لعین سے نسل انسانی کو متنبّہ بھی کیا ہے؛ اسی لیے شیطان کو انسان دشمن، وحی دشمن، خدا دشمن، خیر دشمن، قرآن دشمن اور رسول دشمن کا لقب دیا ہے۔

قانون عروج وزوال

قرآن مجید میں انفرادی سطح پر بھی نفع ونقصان، خیر وشر اور حق وباطل کے مختلف روپ اور انداز واضح کیے گئے ہیں اور اجتماعی سطح پر حکومتوں ریاستوں بادشاہتوں اور تہذیبوں کے لیے بھی رہنمائی موجود ہے اور صحیح وغلط، خیر وشر اور خوب وناخوب کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس ضمن میں چونکہ اجتماعی بگاڑ زیادہ وسیع اثرات کا حامل ہوتا ہے اور کروڑوں انسانوں کو انفرادی حیثیت میں نقصان سے دوچار کر جاتا ہے لہٰذا انفرادی سطح کے بگاڑ کی اصلاح کی خاطر بھی قرآن مجید میں اجتماعی بگاڑ کی اصلاح کو بہت اہم قرار دیا گیا ہے اور تہذیبوں اور بادشاہتوں کے عروج وزوال پر ایسی ہدایت درج کر دی گئی ہے کہ عام انسان بھی اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور اچھے برے حاکموں اور بادشاہوں کو پہچان سکیں، اپنے دوست اور دشمن سے واقف ہوں اور اپنی عقل وفطرت کی رہنمائی میں صراط مستقیم پر چل سکیں اور اجتماعی سطح پر بادشاہوں حکیموں فلسفیوں مطلق العنان خدائی کے دعویداروں کو بھی ایسے لطیف انداز اور پیرایۂ بیان میں سمجھایا ہے کہ وہ بھی اگر

'دل حق شناس' رکھتے ہوں زندہ دل اور زندہ ضمیر کے مالک ہوں تو عبرت حاصل کر کے توبہ کریں اور یوں دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔

قرآن مجید کے مخاطبین اوّل اور ان کے علاقے کی تہذیبیں

جزیرہ نمائے عرب (بالخصوص حجاز) کے لوگ ہی قرآن مجید کے مخاطبین اول ہیں لہٰذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ قرآن مجید نے صرف ان پیغمبروں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے قرب و جوار میں آئے تھے اور انہیں تہذیبوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے جو مکہ مدینہ سے تقریباً 1000 کلومیٹر کے نصف قطر میں تھیں۔

یہ تذکرہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسلام کے پھیلاؤ کے بعد مسلمانوں کا واسطہ پہلے مرحلہ میں انہیں علاقوں کے لوگوں سے پڑنے والا تھا۔ ان پیغمبروں اور تہذیبوں کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔ (ہم یہاں یہ تذکرہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے درج کر رہے ہیں)

(1) **حضرت نوح علیہ السلام** آپ علیہ السلام کا زمانہ آج سے تقریباً 6000 سے 6500 سال پہلے کا ہے عراق کے علاقے میں دو دریا دجلہ و فرات بہتے ہیں ان کے دوآبہ میں نینوی نام کی آبادی تھی وہاں حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال دعوت الی اللہ کا کام کیا۔ مگر صرف 60-70 افراد ایمان لائے ان کی اپنی اولاد میں سے ہی یہ لوگ تھے تمام اولاد بھی ایمان نہیں لائی۔ بالآخر قوم پر سیلاب (طوفان) کا عذاب آ گیا۔ اہل ایمان کو ایک پہلے سے تیار کردہ کشتی میں بچا لیا گیا جبکہ کافر سب کے سب غرق ہو گئے۔ قرائن ایسے ہیں کہ اس وقت شاید صرف اسی علاقے میں انسانی آبادی تھی۔ صرف اہل ایمان بچے، جو بعد میں پوری دنیا میں پھیل گئے۔ آج کی اکثر انسانیت حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد ہے اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو 'آدم ثانی' بھی کہا جاتا ہے۔

(2) **حضرت ہود علیہ السلام** حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ جنوب کی طرف بڑھتے بڑھتے آج کے ملک یمن میں پہنچ ہے وہاں آباد ہوئی پھلی پھولی اور خوب پھیل گئی آسودگی حاصل ہوئی ترقی ہوئی قرآن مجید (سورۃ الفجر) کے مطابق اس زمانے میں ان جیسی کوئی اور ترقی یافتہ قوم روئے ارضی پر نہیں تھی۔ کئی پیغمبر علیہم السلام تشریف لائے مگر قوم نے انکار کر دیا پھر ہود علیہ السلام تشریف لائے قوم نے تکذیب و انکار کیا تو عذاب آ گیا۔ اہل ایمان اور پیغمبر ہود علیہ السلام کو بچا لیا

گیا۔حضرت ہود علیہ السلام کا زمانہ حضرت نوح کے تقریباً چھ سات سو سال کے بعد کا ہے 3500 ق م کے قریب۔

(3) **حضرت صالح علیہ السلام** یمن کے عذاب سے اہل ایمان بچ کر چلے تو کچھ لوگ آج کے مدینہ منورہ سے اوپر جا کر آباد ہوئے۔ یہ وسیع علاقے آج کے اردن، مغربی عراق، کویت شمالی سعودی عرب وغیرہ کو محیط تھا۔ وہاں اس قوم نے ترقی کی۔ زراعت اور پہاڑوں میں عمارات کی تعمیر میں اس قوم نے دنیا میں نام پیدا کیا۔ کئی پیغمبر علیہم السلام آئے قوم نے اصلاح قبول نہیں کی بالآخر حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے۔ قوم نے اپنی ترقی اور دنیاوی جاہ وجلال کی وجہ سے مجموعی طور پر کفر وتکذیب کا راستہ اختیار کی۔ ناقۃ اللہ (اونٹنی) کا معجزہ ظاہر ہوا مگر بے سود۔ بالآخر قوم پر عذاب آ گیا اہل ایمان اور حضرت صالح علیہ السلام کو بچالیا گیا۔ اس قوم کی تہذیب کو پیٹرا (PETRA) کی تہذیب کہا جاتا ہے اور اس کے آثار قدیمہ اس وسیع علائے میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کا فن تعمیر آج بھی اہل دنیا کے لیے قابل رشک ہے۔ آپ علیہ السلام کا زمانہ تقریباً 2500 ق م تھا۔

(4) **حضرت لوط علیہ السلام** حضرت صالح علیہ السلام کی معیت میں اہل ایمان مدائن صالح سے ذرا شمال میں ایک بحیرہ کے کنارے جا کر آباد ہوئے۔ آہستہ آہستہ تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے اس قوم نے ترقی کی اور عروج حاصل کیا اس قوم کے مراسم دور دراز تک یورپ ہند اور چین تک تھے اس قوم میں مردوں کا مردوں سے برا فعل کرنا (SODOMY) یا HOMOSEXUALITY کا رواج عام تھا قرآن مجید میں اس پر کئی تبصرے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کو سمجھایا مگر قوم نے کفر کیا۔ بالآخر اس قوم پر بھی اللہ تعالی کا عذاب آیا اور تباہ و برباد کر دی گئی۔ سمندر کا پانی عذاب کی وجہ سے کھارا ہو گیا۔ آج یہ سمندر بحیرۂ مردار (DEAD SEA) کہلاتا ہے۔ یہ واقعہ تقریباً 2000 ق م کا ہے۔

(5) **حضرت شعیب علیہ السلام** حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ آج کے مصر کی طرف جانے والے راستے پر جا کر آباد ہوئے جو تجارتی شاہراہ تھی۔ خوب ترقی ہوئی اور آسودہ حال قوم کے طور پر یہ لوگ ابھرے۔ ان میں تجارت پیشہ لوگوں کی خرابیاں تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام

تشریف لائے قوم کو سمجھایا مجموعی طور پر قوم نے کفر و تکذیب کی راہ ہی اختیار کی اور بالآخر عذاب خداوندی آ گیا اور قوم کو تباہ کر دیا گیا اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ یہ واقعہ تقریباً حضرت لوط علیہ السلام کے تھوڑے عرصے بعد کا ہے۔

(6) **حضرت موسیٰ علیہ السلام** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ 2000 ق م سے 2100 ق م کا ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو فلسطین میں آباد کیا۔ جہاں ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے پھر ان کی اولاد میں بارہ بیٹے تھے۔ گیارہویں بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت یوسفؑ بعد میں مصر کے بادشاہ بن گئے اور پورا خاندان مصر منتقل ہوگیا کافی عرصہ بعد وہاں مقامی افریقی لوگ (قبطی) حکمران ہوئے۔ اس قوم کے بادشاہ 'فرعون' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ایک خاندان تھا بادشاہوں کے نام الگ ہیں۔ فرعون بادشاہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (جو بنی اسرائیل کہلاتی تھی) کو غلام بنالیا ان سے بیگار لیتے تھے اور انہیں دبا کر رکھا ہوا تھا۔

☆ اس قوم میں تقریباً 1350-1300 ق م حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ فرعونوں کو دعوت دی فرعون خدائی کے دعویدار تھے بت پرستی کا نظام تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی آپ علیہ السلام نے فرعون بادشاہوں کو دعوت حق دی مگر مجموعی طور پر فرعون بادشاہ اور اس کی رعایا نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات قدرے تفصیل سے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

☆ قرآن مجید میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور احوال سب سے زیادہ ہیں اس لئے کہ یہ قرآن انہیں پر نازل ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس پیغمبر کا سب سے زیادہ تذکرہ ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو بنی اسرائیل میں ہوئی مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ کی پرورش وقت کے فرعون بادشاہ کے ہاں ہوئی شاہی محل میں پلے بڑھے، پہلے اس فرعون بادشاہ (رعمیسس ثانی) کی اولاد نہیں تھی پھر اس کی اولاد بھی ہوئی اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا۔ وہ بیٹا (منفتاح) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم عمر تھا اور ساتھ پلا بڑھا تھا۔

☆ فرعون بادشاہوں کے دور میں مصر میں خوشحالی تھی اور ترقی تھی قوم آسودہ حال تھی۔ مگر بنی اسرائیل کو اُنہوں نے غلام بنا رکھا تھا (جیسے 1947ء سے پہلے ہم مسلمان انگریزوں کے غلام تھے)

☆ فرعون بادشاہ یکے بعد دیگرے آئے اور دنیاوی حیثیت کی وجہ سے خدائی کے دعویدار بن گئے۔ ان کا رواج اور رسم یہ تھی کہ ہر بادشاہ جب تخت نشین ہوتا تو اپنے لئے اپنی پسند کا مقبرہ بنوانا شروع کر دیتا۔ فرعون بادشاہوں کا خاص طرزِ تعمیر تھا۔ وہ مخروطی شکل کی عمارتیں بناتے تھے جو بہت دیوہیکل ہوتی تھیں اور پہاڑوں کی طرح بلند ہوتی تھیں یہ عمارتیں آج اہرامِ مصر کے نام سے پہنچانی جاتی ہیں۔ فرعونوں نے یہ عمارتیں دور دراز سے پتھر لا کر اور خاص اہتمام سے تعمیر کرائی تھیں آج بھی انسان کو ان کا طرزِ تعمیر ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ان بادشاہوں کو ان پر بڑا ناز تھا۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوانی میں ہی ایک قبطی قتل ہو گیا تھا اس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مشرق کی طرف صحرائے سینا کے پار چلے گئے تھے۔ وہاں آپ نے کافی وقت گزارا، شادی کی، بکریاں چرائیں اور تقریباً 18-20 سال بعد واپس مصر کا سفر اختیار کیا۔

☆ خاندان اور ریوڑ کے ساتھ واپسی پر صحرائے سینا میں ہی طور پہاڑ پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی اور تورات عطا ہوئی اور حکم ہوا کہ (فوراً) فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو نصیحت فرماؤ وہ سرکشی کر رہا ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر پہنچے تو وہ فرعون جس نے موسیٰ علیہ السلام کو محل میں پالا تھا وہ سبکدوش ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا (جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عمر اور کلاس فیلو تھا) تخت نشین تھا۔ آپ نے اس کو دعوت دی، عصا اور ید بیضا کا معجزہ دکھایا، مگر بے سود یکے بعد دیگرے 9 معجزے ظاہر ہوئے مگر وہ لوگ حق کی طرف آنے سے گریز کرتے رہے۔

☆ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعونوں کی غلامی سے لے کر نکل پڑے اور مشرق کی طرف چل دیے آگے سمندر کا ایک ٹکڑا حائل تھا خلیج سویز وہاں معجزہ ظاہر ہوا اور عصا مارنے سے وہ پانی ہٹ گیا۔ خشک راستہ پیدا ہو گیا اور پوری قوم بنی اسرائیل (تقریباً چھ لاکھ افراد) پار چلے گئے۔

☆ بنی اسرائیل کے پیچھے پیچھے تعاقب کرتے ہوئے فرعون اپنی فوج اور سرداروں کے

ساتھ آ رہا تھا کہ پانی دوبارہ جاری ہوگیا اور فرعون اپنی تمام فوج اور سرداروں سمیت غرق ہوگیا۔ اس طرح بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے بچا لئے گئے۔

فرعون اور اہرام مصر

قرآنِ مجید میں قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ فرعون کی تباہی کے ضمن میں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں بہت ترقی یافتہ قومیں تھیں اور اس ترقی میں ان پر جب ایک دو صدیاں گزر گئیں تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایت والا راستہ ترک کر کے عیاشی اور کفر و شرک کے راستے پر چل پڑے گمراہی کے اس راستے پر چلنے سے ان کے نظریات خدا بیزاری اور دین دشمنی کے بن گئے مزید ترقی کے ساتھ ان کے نظریات کے مطابق ان کے کھیل کود کے طریقے، ان کے مشغلے اور ان کا فن تعمیر بھی ایک خاص رنگ اختیار کر گئے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍO اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِO الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِىْ الْبِلَادِ O وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ O وَ فِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ O الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ O فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ O فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍO اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِO (89/14-6)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) اِرم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد کہ تمام ملک میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادی میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا۔ یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے اور ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے تو تمہارے ربّ نے ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا بے شک تمہارا رب تاک میں ہے''

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ان اقوام کے تعمیراتی کمالات کا تذکرہ کیا ہے۔ قومِ عاد کے بارے میں فرمایا:

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِO الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِىْ الْبِلَادِO

(نمایاں اور اونچے) ستونوں والے (رہائشی) باغات، ایسی قوم

کہ اس جیسی اس وقت (روئے ارضی پر) کوئی قوم نہیں تھی

اس قوم کے کھنڈرات وقت کے ساتھ مٹ گئے تاہم اونچے ستونوں کا رواج آج بھی دنیا میں ہے ہمارے ہاں بھی کوٹھیوں کے فرنٹ پر اونچے ستونوں کا رواج آ گیا ہے یہ رواج ابھی تو وائٹ ہاؤس سے آیا ہے مگر وائٹ ہاؤس نے بھی دراصل قومِ عاد سے ہی لیا تھا۔

_____ اور قومِ ثمود کے بارے میں فرمایا:

وَ ثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِO

اور (قوم) ثمود جنہوں نے اس وادی میں پہاڑوں میں مکان تراشے

اس قوم کے کھنڈرات (پیٹرا کی تہذیب کے نام سے) اب بھی سعودی عرب کے شمالی حصہ، اُردن، فلسطین وغیرہ میں موجود ہیں اور ٹورازم کے فروغ کا ذریعہ ہیں۔

_____ اور قومِ فرعون کے بارے میں فرمایا:

وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ O

اور فراعنہ جو پہاڑوں والے تھے

یعنی فراعنہ مصر کا طرزِ تعمیر اور ان کی ترقی کی علامت وہ ''مصنوعی پہاڑ'' تھے جو اُنہوں نے بنائے۔ چونکہ پہلے دو قوموں کے فن تعمیر کا ذکر ہے اور تبصرے میں اللہ تعالیٰ نے تینوں قوموں کا تذکرہ مشترکہ طور پر کیا ہے لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ یہاں پہاڑوں سے مراد فراعنہ مصر کا فن تعمیر ہی ہے۔

اَوْتَاد_____ کیا ہیں؟

''اوتاد'' اور ذِی الْاَوْتَاد سے کیا مراد ہے یہ ذرا تفصیل طلب بات ہے۔ آیئے غور کرتے ہیں

وتد_____ کے معنی ٹیلہ یا پہاڑ کے ہیں۔

وتد_____ جوتوں میں لگائے گئے 'کوکا' یعنی 'ابھار والی چیز' کو بھی کہتے ہیں۔

ذوالاوتاد_____ پہاڑوں والے۔

ہمارے متقدمین مفسرین نے پہاڑوں والے فرعون ہی مراد لیا ہے تاہم تاریخی طور پر دیکھیں تو یہ بات اب گزشتہ ایک صدی سے عیاں ہے مصر میں دریائے نیل کے کنارے کئی

(بیسیوں) ایسے مخروطی شکل کے انسانی ہاتھوں کی تعمیر کردہ پتھر کی عمارتیں ہیں جن میں بت پرستی کے نشانات اور آثار بھی ہیں دریافت ہو چکی ہیں۔

ماہرین تاریخ ان آثار کا زمانہ 3800 سے 3300 ق م ہی بتاتے ہیں ان کی تفصیلات بڑی عجیب ہیں۔ ان کا فن تعمیر بڑا مسحور کن اور مافوق الفطرت (SUPER HUMAN) لگتا ہے اور ــــــــ یہ بھی حقیقت ہے کہ قومِ عاد کے فن تعمیر اور قومِ ثمود کے فن تعمیر کی طرح یہ فن تعمیر بھی ــــــــ التی لم یخلق مثلها فی البلاد کی طرح نہ پہلے تھا نہ بعد میں۔

اہراموں کی ذرا تفصیل

(1) ان اہراموں کی تفصیلات یہ ہیں کہ یہ عمارت مربع شکل کی بنیادوں پر بنائی گئی ایک عمارت ہوتی ہے جو اُوپر سے مرکز میں ایک نقطہ پر جا کر مل جاتی ہے۔

اہراموں کا عمومی منظر

(2) تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فراعنہ مصر حضرت یوسف علیہ السلام (یعنی بنی اسرائیل) کے دورِ حکومت کے بعد حکمران بنے اور اُنہوں نے مصر میں بنی اسرائیل (سابقہ شاہی خاندان کو) اپنا غلام بنالیا۔

(3) قرائن سے اس تہذیب کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ فراعنہ جلد ہی اپنے اقتدار کے نشے میں مغرور ہو کر اللہ، آخرت اور رسالت کو بھلا بیٹھے اور دنیادار بن گئے اور دنیاوی ترقی کے نشے میں مصلحین کا بھی کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اگلے مرحلے میں خود خدائی کے دعویدار بن گئے اور عوام کے لئے بدترین استحصالی نظام رائج کیا اور بت پرستی کو فروغ دیا۔

(4) ہر فرعون بادشاہ اپنی زندگی میں ہی (تخت نشینی کے بعد) اپنا 'مقبرہ' بنانا شروع کر دیتا تھا اور اپنا 'من پسند' مقبرہ تعمیر کراتا تھا۔ شروع شروع میں حکومت کے مالی وسائل کم تھے تو چھوٹے چھوٹے اہرام بنے مگر آہستہ آہستہ دنیاوی عروج ہوا تو بڑے بڑے اہرام وجود میں آتے چلے گئے۔

(5) سب سے بڑا اہرام جو دریافت ہو چکا ہے وہ 'خوفہ' کا اہرام ہے جو غالباً فراعنہ مصر میں سے سب سے بڑا مطلق العنان حکمران تھا (جیسے مغلوں میں اکبر مغل اعظم علیہ ماعلیہ)

یہ سب سے بڑا اہرام 16 ایکڑ رقبے پر ایک ہی عمارت ہے جو 480 فٹ اُونچی ہے (لاہور میں واپڈا ہاؤس 110 فٹ، کراچی میں حبیب بنک بلڈنگ 250 فٹ اُونچی ہے تربیلا ڈیم کی دیوار 483 فٹ بلند ہے) اس کے اندر کئی راستے بنائے گئے تھے اور بے شمار کمرے، درجہ بدرجہ انتظار گائیں، آرام گاہیں، بت خانے بنائے گئے ہیں۔ فراعنہ کے عقیدہ کے مطابق بادشاہوں کی لاشیں حنوط کر کے اصلی انسانی شکل میں اہراموں کے اندر ہال میں سجادی جاتی تھیں اور سونے چاندی کے ڈھیر بھی رکھ دیے جاتے تھے۔

(6) خوفہ کے اہرام میں بڑے بڑے پتھر لگا کر تعمیر مکمل کی گئی ہے پتھر کا سائز 10ft×10ft×10ft یعنی ایک ایک پتھر ایک چھوٹے کمرے کے برابر ہے اور کمالِ فن یہ ہے کہ ان پتھروں کو اتنی خوبصورتی نفاست اور مہارت سے کاٹا اور جوڑا گیا ہے (جیسے ہمارے ہاں اینٹوں کو سیمنٹ سے جوڑ کر مکان تعمیر کرتے ہیں) کہ جوڑ میں سے VISITING CARD یعنی کارڈ بھی داخل نہیں کیا جا سکتا۔

(7) حیرت کی بات یہ ہے کہ جس علاقے میں یہ اہرام بنائے گئے ہیں اس کے آس پاس 100 کلومیٹر تک کوئی پہاڑی علاقہ بھی نہیں جہاں سے امکانی حد تک یہ پتھر لائے گئے ہوں دور دراز علاقے سے ایسے بڑے بڑے پتھر لانا ان کو کاٹنا اُٹھانا اور کئی سو فٹ اُونچائی پر مہارت سے نصب کرنا یہ کمالات آج بھی عام انسانوں حتیٰ کہ ماہرین تعمیرات کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ان اہرام مصر کو دنیا کے سات عجائبات (SEVEN WONDERS OF HISTORY) میں شمار کیا گیا ہے۔

(8) ان اہراموں کی تعمیر میں زیادہ امکان ہے کہ بنی اسرائیل جو کہ غلام بنا لئے گئے تھے

انہیں سے بیگار لے کر بنائے گئے ہیں اوران میں اس قوم کا خون پسینہ شامل ہے۔(یہود نے اس پر فلمیں بھی تیار کر رکھی ہیں۔) قرآن مجید میں بنی اسرائیل پر فرعونوں کے مظالم کو یسومونکم سوء العذاب کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

(9) سب سے آخر میں یہ بات کہ فراعنہ مصر کے ہاں لاشوں کو محفوظ کرنے اور کیمیائی مرکّبات لگا کر محفوظ کرنے کا ایسا فن تھا کہ وہ لاشیں آج بھی (3300 سال بعد) محفوظ ہیں اور پہچانی جاتی ہیں۔

(10) انہیں اہراموں میں منفتاح کا اہرام بھی ہے اوراس کی لاش بھی وہیں سے نکالی گئی تھی جواب قاہرہ میوزیم میں رکھی ہے۔

یہ فرعون چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں پانی میں ڈوب کر مرا تھا اس کی لاش کو نکال کر قوم نے محفوظ کیا ہوگا۔اس فرعون کی لاش امتداد زمانہ کے ساتھ صدیوں تک محفوظ تو رہ گئی مگر اس کے پانی میں ڈوب کر مرنے کی وجہ سے پانی کے اثرات ظاہر ہوگئے اور جب بیسویں صدی کے آغاز (1902ء) میں یہ لاش نکال کر عجائب گھر میں رکھی گئی تو موسمی حالات کے زیر اثر اس پر پھپھوندی لگ گئی جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ وہی فرعون (منفتاح) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں غرق ہوگیا تھا۔ پھر اس کی لاش کو جدید انداز میں فرانس لے جا کر 'علاج' کے بعد دوبارہ محفوظ کر کے رکھ دیا گیا۔

اہرام مصر کی دریافت

یہ اہرام ایک عظیم بے خدا تہذیب کا پتہ دیتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلد بعد چونکہ یہ علاقہ بنی اسرائیل کے زیر نگین آ گیا تھا (سورۃ الاعراف 137,136) لہٰذا یہ عدم توجہی کا شکار ہوگئے اور پھر بنی اسرائیل کا اقتدار تقریباً 1000 سال تک رہا لہٰذا وقت کے ساتھ مغرب کی طرف صحرائے اعظم کے اثرات کے تحت ریت کی تہوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئے۔تا آنکہ انیسویں صدی میں برطانوی حکومت کے زیر انتظام مصر کی فتح کے بعد یہاں آثارِ قدیمہ کی تلاش کا سلسلہ شروع ہوا (جو یہود کی تاریخ کا ایک اہم باب تھا) تو یکے بعد دیگرے سارے اہرام برآمد ہوگئے اور فرعون موسیٰ کی لاش بھی نکل آئی اور یوں قرآن مجید کی 14 صدیوں قبل کی بات صد فیصد

پوری ہوگئی۔قرآن مجید نے فرعون کے غرق ہونے کے واقعہ کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فرعون موسیٰ کی لاش کو ایک نشانی بنا دے گا اور بعد والے بھی اس سے عبرت حاصل کریں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَاءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ الْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (92,91,90-10)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا اور مفسد بنا رہا۔تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں''

فرعون (منفتاح) اور اہرام مصر

جب فرعونِ موسیٰ کی لاش دریافت ہو کر قرآن مجید کی ایک صداقت کا نشان بن گئی تو قرآن مجید کی حقیت پر مہر تصدیق بھی ثبت ہوگئی اور ساتھ ان فراعنہ کے تعمیراتی شاہکار اہرام مصر کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ قرآن مجید جنہیں 'ذوالاوتاد' فرماتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے یعنی فرعون اہراموں والے۔

حاصل کلام

واضح رہے کہ قرآن مجید پہاڑوں کو 'اوتاد' ہی فرماتا ہے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَ الْجِبَالَ اَوْتَادًا (78-7,6)

''کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں (نہیں ٹھہرایا)؟
گو ذوالاتاد کا ترجمہ پہاڑوں والے ہی ہے تاہم اہرام مصر کی دریافت اور فرعون کی لاش کی نشانی کے ظہور کے بعد یہ پہاڑ انسانی ہاتھوں کے بنائے پہاڑ اہرام مصر ہیں جیسا کہ قومِ عاد کی تعمیراتی کمالات کو 'ذات العماد' کہا اور قوم ثمود کے دورِ عروج میں پہاڑوں کو تراش کر مکان بنا لینے کے عمل کو ان کا طرہ امتیاز فرمایا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ سورۂ فجر میں فرعونوں کے ضمن اوتاد سے مراد بھی ان کے تعمیراتی کمالات کے نشانات ان کے تعمیر کردہ اہرامِ مصر ہی ہیں۔ (واللہ اعلم)

اہراموں کی چند تصاویر

اہرام کا نقشہ
0
200 Meters
Valley Temple
Boat Pits
Causeway
Main Pyramid
Martuary Temple
Queen's Pyramids
N
Cult Pyramid

پتھروں کی تعمیر
(فوٹو میں انسان بھی نظر آ رہے ہیں)

خوفہ کا اہرام فضائی تصویر

اہرام کی تصوراتی 3D ڈرائنگ
THE INTERNAL ARRANGEMENT OF THE PYRAMID OF KHUFU
a. Entrance
b. Descending Passageway
c. Subterranean Chamber
d. Well Shaft
e. Ascending Passageway
f. "Queen's" Chamber
g. "Ventilation Shafts"
h. Grand Gallery
i. Antechamber
j. King's Chamber
k. "Relieving Chambers"

MAIN ENTRANCE

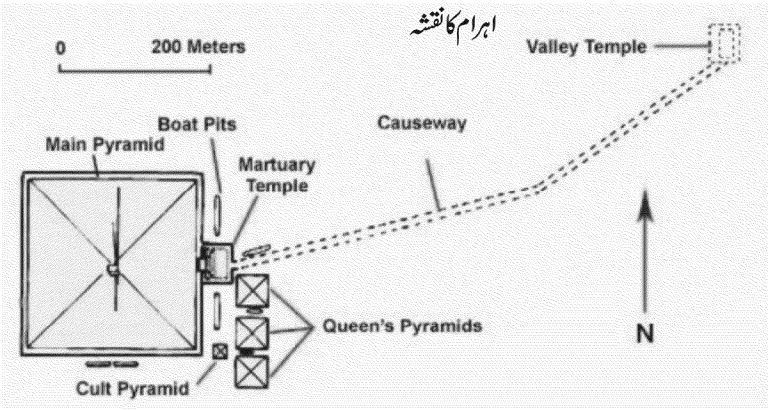

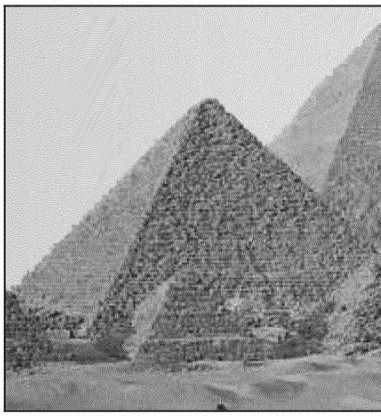

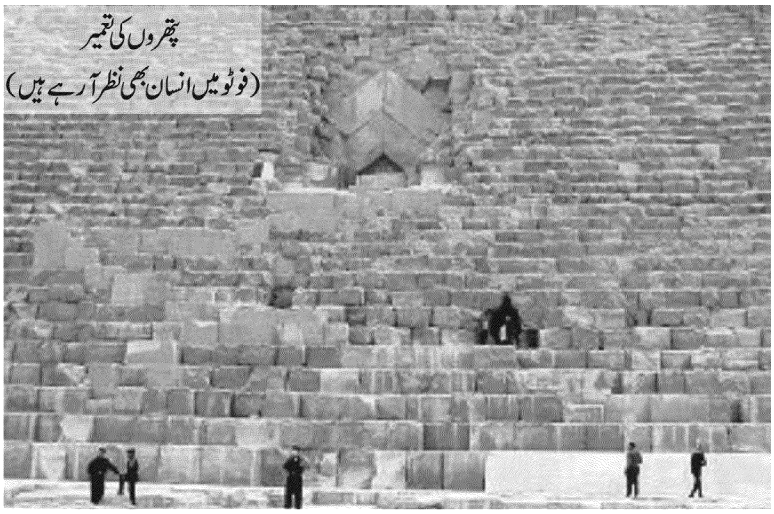

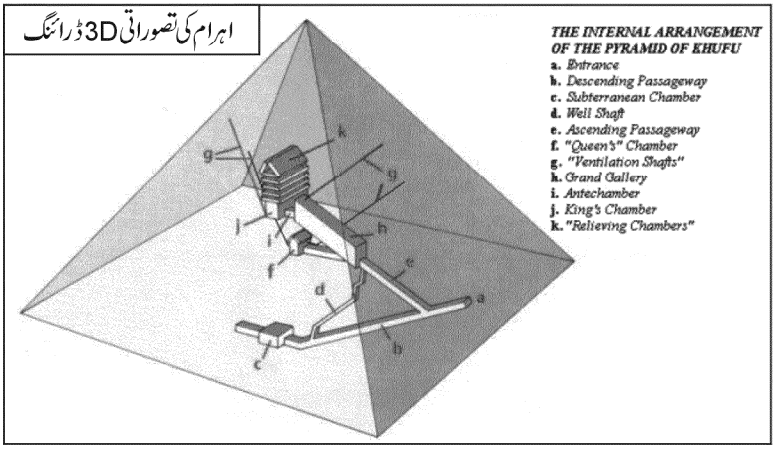

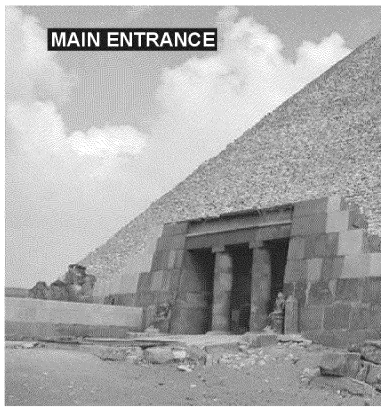

مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوُر

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

2012ء

تین کورس

مئی، جون، جولائی

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا۔ ☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی ☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے۔ ☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلباء کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔

مئی، جون، جولائی 2011ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹرڈ کرائیں۔

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7628561

E-Mail hikmatbaalgha@yahoo.com

برطانوی ہند کے مسلمانوں کی صد سالہ
جدوجہد کے بارے میں کئی اقساط میں شائع شدہ
سلسلہ مضامین اب کتابی شکل میں طبع ہو گئے ہیں

جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے

سو سال (100)

(1910ء-2010ء)

جو یکے بعد دیگرے تین عظیم عالمی مغربی سپر طاقتوں
کے زوال کا باعث بن گئے

انجینئر مختار فاروقی

صفحات 160 مجلد عمدہ کاغذ
قیمت 300 روپے (ترسیل بذریعہ کوریئر)
بالمشافہ خریدار کے لئے 20% رعایت

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر